کتاب النفقات

اور اسلامی ممالک میں رائج الوقت قوانین

تالیف

حضرت مولانا مفتی حماد اللہ وحید صاحب

رئیس دارالافتاء جامعہ انوار القرآن کراچی

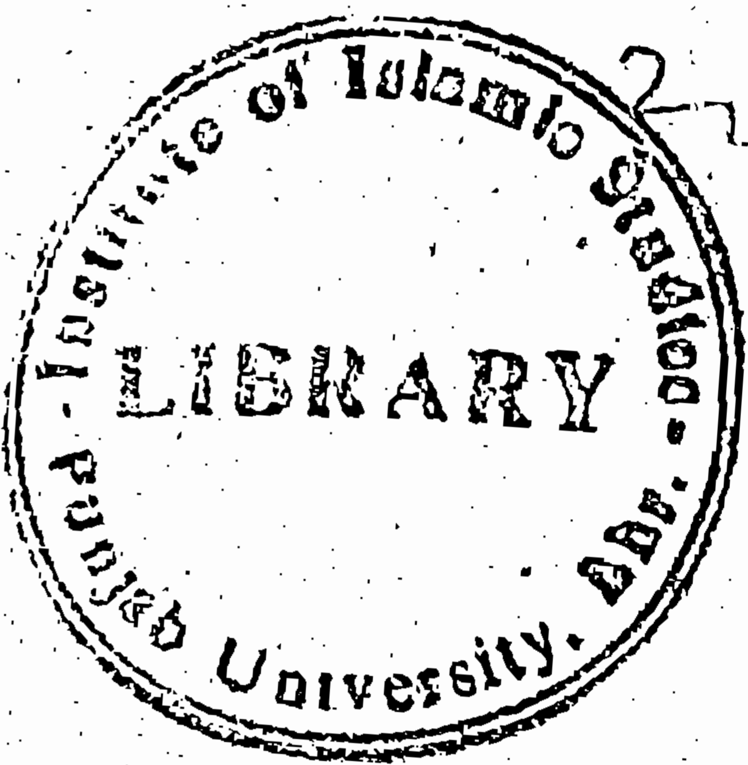
زمزم پبلشرز

کتاب اللقطہ

اور اسلامی ممالک میں رائج الوقت قوانین

تالیف

حضرت مولانا مفتی حماد اللہ وحید صاحب
رئیس دارالافتاء جامعہ انوار القرآن کراچی



زمزم پبلشرز

کتاب کا نام ـــــ كتاب النفقات

تاریخ اشاعت ـــــ جون ۲۰۰۵ء

باہتمام ـــــ احبابِ زمزم پبلشرز

کمپوزنگ ـــــ فاروقِ اعظم کمپوزرز کراچی

سرورق ـــــ احبابِ زمزم پبلشرز

مطبع ـــــ

ناشر ـــــ زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-2760374 - 021-2725673

فیکس: 021-2725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: http://www.zamzampub.com

ملنے کے دیگر پتے

- دارالاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- صدیقی ٹرسٹ لسبیلہ چوک کراچی۔
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور

ضروری گزارش

ایک مسلمان، مسلمان ہونے کی حیثیت سے قرآن مجید، احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور نہیں کرسکتا۔ سہواً جو اغلاط ہوگئی ہوں اس کی تصحیح واصلاح کا بھی انتہائی اہتمام کیا ہے۔ اسی وجہ سے ہر کتاب کی تصحیح پر ہم زرِ کثیر صرف کرتے ہیں۔

تاہم انسان، انسان ہے۔ اگر اس اہتمام کے باوجود بھی کسی غلطی پر آپ مطلع ہوں تو اسی گزارش کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح ہوسکے۔ اور آپ "تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" کے مصداق بن جائیں۔

جَزَاكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى جَزَاءً جَمِيْلًا جَزِيْلًا

ـــــ مِنجانب ـــــ

احبابِ زمزم پبلشرز

فہرست مضامین



انتساب

بندہ اپنی اس ادنیٰ سعی کا انتساب مادر علمی جامعہ فاروقیہ کی طرف کرتا ہے۔ جس کی آغوش میں رہ کر فقہی جزئیات سے شناسائی ہوئی جو آج میری زندگی کا عظیم ترین سرمایہ ہے۔



پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لمن تفرد بالقدم وكل شيء ماسواه مسبوق بالعدم والصلوٰة والسلام على سيد العرب والعجم وعلى اله واصحابه الذين قاموا بنصرة الدين القويم.

شریعت اسلامیہ نے حقوق کی ادائیگی اور اصحاب حقوق تک ان کا حق پہنچانے کیلئے ایسا جامع اور مرتب نظام وضع کیا ہے جس کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی، انسانی ذہنوں کے تراشیدہ قوانین ہوں یا قبل از اسلام کے ادیان سماویہ ہوں کسی بھی دین ومذہب اور کسی بھی امت اور ملت نے حقوق کی ادائیگی کے حوالے سے ایسا ہمہ گیر اور ہمہ جہت فلسفہ متعارف نہیں کرایا ہے جس سے بنی نوع انسان کی مکمل فلاح اور بھلائی کی امید کی جاسکے۔ اسلام ہی وہ دین ومذہب ہے جس نے انسانوں ہی نہیں جانوروں تک کی حقوق کی ضمانت دی ہے اور اس کے لئے واضح پیمانے مقرر کئے ہیں اس واسطے اللہ رب العزت نے اسلام کو دین فطرۃ بنا کر نوع انسانی کے مصالح کا محور قرار دے کر ایک آئیڈیل اور پسندیدہ دین کی حیثیت سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاری وساری فرمایا:

"اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام ديناً"

چونکہ رب لم یزل نے دین اسلام کو ایک کامل اور مکمل دین کی حیثیت سے قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے پسند فرمایا اس خاطر دین کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے خود لی:

"انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون"

حفاظت دین کی خاطر حق جل مجدہ نے ہر زمانے میں ایسے رجال کار پیدا فرمائے جنہوں نے اس کام میں اپنی زندگیاں کھپا دیں اور آنے والی نسلوں کے لئے دین کو اپنی اصلی حالت اور صحت اور سلامتی کے زیور سے آراستہ کر کے منتقل کرنے کے فرض سے عہدہ براہ ہوئے اس ضمن میں فقہاء امت کی جماعت کی خدمات ایسی ناقابل انکار اور ناقابل فراموش ہیں کہ اس سے انکار کی کسی بھی سلیم العقل اور سلیم الشعور کو نہیں بنی۔ قرآن وحدیث سے استنباط مسائل کے کوہ گراں کو سر کرنے والے ان محسنین امت نے وہ کونسا مسئلہ ہے جسے انہوں نے ایک منضبط صورت میں پیش نہ کیا ہو اور وہ کیا معمہ ہے جسے حل نہ کیا ہو اور وہ کونسا باب ہے جسے تشنہ رکھا ہو۔ حقوق کے باب میں فقہاء کرام نے ایک ایک مسئلے کو انتہائی شرح وبسط کے ساتھ محفوظ کیا ہے، لیکن اس حقیقت سے بھی انکار کی گنجائش نہیں کہ ہر دور اور ہر زمانے میں مسائل شرعیہ پر تحقیق، تدقیق، ترتیب وتدوین کا کام مکمل آب وتاب سے جاری رہا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حقوق سے متعلق نفقات کے موضوع کو کتب فقہ میں انتہائی منقّح اور واضح کر کے بیان کیا گیا ہے لیکن اس موضوع کے مباحث فقہ کی کتابوں میں مختلف اوراق اور ابواب میں ایسے پھیلے ہوئے ہیں کہ جس سے مجھ جیسے ایک عامی کا استفادہ کرنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے جس کی وجہ سے سادہ لوح مسلمان حقوق کے نام پر مغربی اقوام کے مسلسل پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر مختلف شکوک اور شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں، ان منتشر جواہر پاروں کو یک جا کر کے مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے کی ضرورت ایک عرصے سے محسوس کی جا رہی تھی اپنے بعض بہی خواہوں کے توجہ دلانے پر بندہ نے اس موضوع پر کام شروع کیا، جو بحمد اللہ بہت جلد مکمل ہو کر منصۂ شہود پر آنے کے قابل ہوا جس پر رب کریم کا جتنا شکریہ ادا کیا جائے کم ہے۔

زیر نظر کتاب میں بشری امکان کی حد تک کوشش کی گئی ہے کہ موضوع سے متعلق

تمام مباحث کو کتاب میں مختصراً سمودیا جائے لیکن اگر کوئی اہم مسئلہ موضوع کی مناسبت سے کتاب میں جگہ نہیں بنا سکا ہے تو اسے میری کوتاہ نظری اور کم علمی پر محمول کر کے توجہ دلا کر اصلاح فرمادیں۔

باقی جن حضرات نے کتاب کی تیاری اور اس سے پہلے کے مراحل میں میرے ساتھ تعاون کیا، حوصلہ بڑھایا اور میرا دست وبازو بنے ان کا تذکرہ نہ کرنا ناسپاسی ہوگی خصوصاً میرے مشفق والد ماجد حضرت مولانا عبدالوحید صاحب دامت برکاتہم، استاد محترم حضرت مولانا ولی خان المظفر مدظلہ برادرم مولانا حسین احمد پانیزئی سلمہ اور مولانا حبیب اللہ یوسفزئی سلمہ ان حضرات نے جس ہمدردانہ طریق پر اس مشکل کام میں میرا ہاتھ بٹایا اس پر میں ان کا شکر گزار ہوں اللہ تعالیٰ اس محنت کو ان کی علمی وعملی ترقیات کا سبب بنادیں اور اس حقیری کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازیں۔

بندہ: حماد اللہ وحید

خادم دارالافتاء جامعہ انوار القرآن کراچی



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

الحمد لمن تفرد بالقدم وكل شيء ما سواه مسبوق بالعدم والصلاة والسلام على سيد العرب والعجم وعلى آله واصحابه الذين قاموا بنصرة الدين القويم.

فقہ عربی زبان میں کھولنے اور پھاڑنے، تحقیق و جستجو، غور و تامل ذہانت و فطانت اور فہم و ادراک وغیرھا معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاح شریعت میں دینی فرائض، مناصب کا علم، رسوخ فی العلم، رسوخ فی الدین حدود و مقاصد، شریعت سے آگہی، اصول اربعہ پر فروعی مسائل وحوادث کے تطابق وغیرھا کو فقہ کہا جاتا ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے معرفۃ النفس مالہا وما علیہا کے جامع الفاظ سے فقہ کی تعریف فرمائی ہے، علم فقہ کی حیثیت واہمیت اور عظمت و وقعت ہے۔

فرمان خداوندی:

﴿ومن يؤت الحكمة فقد اوتى خيراً كثيراً فلو لا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين﴾ (الاية)

اور فرمان رحمت کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم: "من يريد الله خيراً يفقهه فى الدين، فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد" سے واضح اور عیاں ہو جاتی ہے۔

حضور علیہ السلام نے مزید فرمایا:

"لكل شيء عماد وعماد الدين الفقه، افضل العبادة الفقه"

امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"العلم علمان علم الفقه للاديان وعلم الطب للا بدان

وما وراء ذلك بلغه مجلس"

یعنی سیکھنے کے لائق علم تو بس دو ہی ہیں ایک علم فقہ جس سے دین کے احکام سے واقفیت ہو جاتی ہے۔

اور دوسرا علم طب ہے جس سے صحت انسانی کی تعمیر ہوتی ہے اور بقیہ علوم تو صرف حظ نفس کا ذریعہ ہیں۔

تفقه فان الفقه افضل القائد
الى البر والتقوىٰ واعدل قاصد
هو العلم الهادى الى سنن الهدى
هو الحصن ينجى من جميع الشدائد
فان فقيها واحد متورعا
اشد على الشيطان من الف عابد

یعنی فقہ کا علم حاصل کر کیونکہ اس سے اعمال صالحہ کی توثیق اور تقویٰ کی سعادت حاصل ہوتی ہے اور فقہ سے ہدایت کی راہیں جس کی پناہ میں فقیہ تمام حوادثات و آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے بے شک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

ترتیب و تدوین فقہ: عہد رسالت و عہد خلافت راشدہ میں مسائل شرعیہ کے لئے صحابہ کرام مرجع و مآب تھے حضرات صحابہ عموماً حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی طرف رجوع کرتے تابعین کے دور میں امام حسن بصری، سعید بن مسیّب، ابراہیم نخعی، شعبی قاضی شریح، مسروق بن علقمہ نے فقہ میں شہرت اور وقیع مقام حاصل کیا ان میں سرفہرست

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

متقدمین و متاخرین نے تفقہ فی الدین کے سلسلہ میں آپ کی جلالت قدر و عظمت شان کا اعتراف کیا ہے۔

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا عظیم ترین کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن و حدیث اور تعامل امت کی روشنی میں شورائی طریق پر اسلامی قانون فقہ کی تدوین کی۔ واقعہ یوں ہے کہ فقہ کی باقاعدہ ایک مستقل علم وفن کی حیثیت سے ترتیب کے لئے دوسری صدی ہجری میں سراج الأمت حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ آمادہ ہوئے اور آپ نے اپنے عہد کے علماء کرام کی ایک ایسی معقول تعداد جمع کی جس میں ہر علم وفن کے ماہرین شریک تھے۔

اور جو اپنے علم وفن میں بصیرت و جسارت کے ساتھ ساتھ زہد و اتقاء خدا ترسی و فرض شناسی اور دوسرے اوصاف سے متصف تھے خود امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جنہیں اس مجلس علماء کے صدر کی حیثیت حاصل تھی، ان سارے کمالات وفضائل کے جامع تھے جن کی ایسے اہم دینی کام میں ضرورت ہوتی ہے آپ ہزاروں محدثین و شیوخ کے فیض یافتہ تھے کم وبیش چار ہزار تابعین علماء مشائخ سے آپ نے علم حاصل کیا تھا سب سے بڑھ کر یہ کہ آپ کو تابعیت کا بھی شرف حاصل تھا۔

بعض روایات کے مطابق جس زمانہ میں آپ کوفہ میں پیدا ہوئے تھے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم وہاں موجود تھے۔

چنانچہ آپ نے کتاب وسنت اور لغت ومحاورات کے ان ماہرین علماء ربانیین کے ساتھ مل کر اسلامی نظام کے دفعات مرتب فرمائے اور اصول وفروع کا نقشہ تیار کیا اس طرح کہ اس علمی ودینی پارلیمنٹ میں سبھوں نے وسعت نظر کے ساتھ ایک ایک مسئلہ میں غور کیا اور بحث ومباحثہ وجستجو کی ضرورت آئی تو اس سے بھی گریز نہ کیا کتاب وسنت اور اقوال صحابہ کا پورا ذخیرہ سامنے رکھا تا کہ کوئی گوشہ نظروں سے اوجھل نہ رہنے

پائے اور ہر طرح چھان پھٹک کر جچے تلے جملوں میں قلم بند کیا اور اس دیدہ ریزہ غور و فکر اخلاص وللّٰہیت اور فضل و کمال کے ساتھ فقہ کا وجود عمل میں آیا جو ہر جہت سے مہذب ومزین اور زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہوا۔ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن وحدیث سے جو مسائل اخذ کئے ہیں ان کی تعداد کے بارے میں اختلاف ہے سب سے قلیل تعداد تراسی ہزار ہے۔

علوم ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ علیہ کو نقل کر کے امت تک پہنچانے کے لئے آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے تلامذہ عنایت فرمائے جن کے علم وفہم اور فضل وکمال پر دنیا کو ناز ہے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے حضرات کی تعداد چار ہزار نقل کی ہے۔

ائمہ ثلاثہ جن کے مذاہب امام صاحب کے مذہب کے ساتھ ساتھ اس وقت دنیا میں رائج ہیں بواسطہ یا بلاواسطہ امام صاحب کے فیض یافتہ ہیں۔

فقہ کا جو کام امام اعظم کی زیر نگرانی انجام پایا تھا وہ ضرورت اور تقاضائے وقت کے ساتھ پھیلتا اور بڑھتا گیا کسی منزل پر جا کر رکا نہیں اور یہی ہونا بھی چاہیئے تھا اور نئی ایجادات اور جدت پسندی کے ساتھ مسائل بھی ابھرتے رہے اور یہ سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا۔

جدید فقہ کی ترتیب میں متاخرین فقہاء نے مسائل شریعہ کی اہمیت وضرورت کے پیش نظر مختلف عنوانات وموضوعات قائم کر کے امت کی رہنمائی کی ہے ان میں سے ایک اہم موضوع ''نفقات'' ہے۔

عہد جاہلیت میں غریب پروری کا نظام تو کجا زیر دستوں کمزوروں کو انسان ہی نہیں سمجھا جاتا تھا ہر قسم کی بیگار ان سے لی جاتی تھی اور ان کی مزدوری بھی ادا نہیں کی جاتی تھی لیکن اسلام کی روشنی نے جہاں جاہلیت کی ہر چیز تبدیل کر دی وہاں اس مسئلہ کو بھی تشنہ تکمیل نہ چھوڑا انسانوں کے درمیان حقوق وفرائض کا ایک عمرانی معاہدہ طے کیا جس کے تحت ہر انسان کے دوسرے انسان پر کچھ حقوق متعین کئے ان کی ادائیگی ہی

سے ایک شخص اپنے آپ کو مکمل مؤمن کہلوا سکتا ہے ان ہی فرائض وحقوق میں نفقہ بھی ہے نفقہ اس چیز کو کہا جاتا ہے جو انسان اپنے عیال پر خرچ کرتا ہے جو کہ کھانے کی اشیاء پہننے کے لئے کپڑے اور رہنے کے مکان کو بھی شامل ہے۔

نفقہ کے وجوب کے تین سبب ہیں زوجیت، قرابت خاصہ اور ملک۔ قرآن و حدیث میں نفقات کی اہمیت بہت سی جگہوں میں بیان کی گئی ہے ان آیات واحادیث کے پیش نظر احناف فرماتے ہیں کہ ہر ذی محرم رشتے دار کے لئے نفقہ واجب ہے۔

لیکن صد افسوس کہ اردو زبان میں نفقات کے حوالے سے کوئی قابل قدر کام نہیں ہوا جس کی وجہ سے معاشرے میں جینے والے افراد اس حوالے سے بالکل نابلد ہیں عرصہ دراز سے بندہ کی خواہش تھی کہ اس موضوع پر تفصیلی کام ہو لیکن اپنی علمی کم مائیگی کو دیکھتے ہوئے اکثر و بیشتر کام کا ارادہ کرتا پھر ہمت نہیں ہوتی جس کی ایک وجہ تو کم علمی اور دوسری وجہ تحریر کے میدان سے بالکل ناآشنائی تھی لیکن استاذ الحدیث جامعہ فاروقیہ حضرت مولانا ولی خان المظفر دامت برکاتہم کے حکم اور کچھ اور ساتھیوں کے بار بار اصرار پر بندہ نے عملی طور پر کام کرنا شروع کیا الحمد للہ قدم قدم پر میرے والد ماجد دامت برکاتہم اور حضرت مولانا ولی خان صاحب مدظلہ نے رہنمائی کی اور مفید مشوروں سے نوازا۔

ان کی قدم قدم پر رہنمائی سے الحمد للہ یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا اس کتاب کو ترتیب دینے میں اور اصل مآخذ کی طرف مراجعت کرنے میں سب سے زیادہ برادر محترم مولوی محمد طاہر قریشی فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی و متخصص جامعہ انوار القرآن کا ہاتھ ہے۔

اگر وہ دن ورات محنت نہ کرتے تو یہ کتاب زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوتی اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو جزاء خیر عطا فرمائے جنہوں نے اس معاملے میں بندہ کے ساتھ ہر قسم کا تعاون کیا۔

امید واثق ہے کہ اہل علم اس کتاب کو شرف قبولیت بخش کر بندہ کی حوصلہ افزائی کریں گے۔

یقیناً بعض مسائل ایسے ہو سکتے ہیں جس میں اہل علم حضرات کو اشکال ہو تو اہل علم حضرات سے درخواست ہے کہ غلطیوں کی نشاندہی کریں تاکہ آئندہ اس کی اصلاح کی جا سکے۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

نفقہ کی تعریف اور شرعی حیثیت

نفقہ کا لفظی معنی خرچ کرنے کے ہے، لغت میں اس شی کو کہتے ہیں جو انسان اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ھی فی اللغة "ما ینفق الانسان علٰی عیاله" ونحوذلك"

(البحرالرائق: ج٤، ص١٧٣ رشیدیہ کوئٹہ)

اس طرح "کتاب الفقه علی مذاهب الاربعه" میں ہے:

"النفقة فی اللغة الاخراج والذهاب" (ج٤، ص ٤٨٢، بیروت)

جہاں تک اصطلاح فقہاء کا تعلق ہے تو اصطلاح فقہ میں ایک شخص کا دوسرے کی محنت کے عوض ضروریات زندگی فراہم کرنے کو نفقہ کہتے ہیں۔ چنانچہ "کتاب الفقه علی مذاهب الاربعه" میں لکھا ہے

"اما فی اصطلاح الفقهاء: فهی اخراج الشخص مؤنة من تجب علیه نفقة من خبز وأدم وكسوة ومسكن وما یتبع ذلك" (ج٤، ص٥٥٣، دارالدیان للتراث القاهره)

چنانچہ شوہر کو شریعت نے یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو اپنے پاس روکے رکھے جس کا معاوضہ نفقہ کی صورت میں ادا کرنا واجب ہے اس کا وجوب کتاب اللہ سے ثابت ہے:

"لینفق ذو سعة من سعته ومن قدر علیه رزقه فلینفق ممّا اٰتاه اللّٰه."

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"اسکنوھن من حیث سکنتم من وجدکم"

ایک جگہ ارشاد فرمایا:

رزقھن وکسوتھن بالمعروف

نفقہ سے عموماً تین چیزیں مراد لی جاتی ہیں: خوراک، پوشاک، مسکن لیکن اس میں دیگر اشیاء صابن، تیل، پانی وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اشیاء جو عورت کے گذارے، آرام و آسائش کے لئے ضروری ہیں وہ بھی شامل ہیں۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

"والنفقة الواجبة الماكول والملبوس والسكنى"

(ھندیہ ج۱ ص۵۴۹، بیروت)

اسی طرح علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے:

"تجب النفقة للزوجة علی زوجها والكسوة بقدر حالها اى: الطعام والشراب بقرينة عطف الكسوة والسكنٰى عليها" (البحرالرائق: ج۴، ص۱۷۳ رشیدیہ کوئٹہ)

نفقہ کی شرعی حیثیت

مرد پر عورت کا نفقہ واجب ہے، پھر نفقہ کے وجوب کے تین اسباب ہیں:

(۱) ......ازدواج

(۲) ......ملک

(۳) ......قرابت

اب جہاں تک زوجہ کے نفقہ کا تعلق ہے تو وہ ازدواج کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، جہاں تک والدین یا اولاد کا نفقہ ہے تو یہ قرابت کی وجہ سے واجب ہوتا ہے، اسی طرح غلام اور لونڈی کا نفقہ جو آقا پر واجب ہوتا ہے، اس کے وجوب کا سبب ملک

ہے۔ چنانچہ ”کتاب الفقه علی مذاهب الاربعه“ میں ہے:

”واما اسباب وجوبها فثلاثة، الزوجية والقرابة والملك وقد ثبتت النفقة لهو لاء بالكتاب والسنة والاجماع قال تعالیٰ: ”الرجال قوامون على النّساء بما فضل اللّٰه بعضهم على بعض وبما انفقوا من اموالهم.“ (النساء: ٣٤) وقال تعالیٰ: وعلى المولودله رزقهن وكسوتهن بالمعروف (البقرة: ٢٣٣) الیٰ غير ذٰلك من الأيات الدالة علیٰ وجوب النفقة علیٰ الزوجة والاولاد والوالدين والاقارب.

”واما السنة فهي مملؤة بالحث على الانفاق على الاهل والاقارب والمماليك ومن ذلك ما رواه البخارى من حديث: ”وابداء بمن تعوله“ الحديث اخرجه البخارى فى كتاب النفقات فى باب وجوب النفقة علیٰ الاهل والعيال.“ (الحديث نمبر ٥٣٥٥، نمبر٥٣٥٦) (كتاب الفقه علىٰ مذاهب الاربعه: ج٤، ص٥٥٣، مطبوعة بيروت)

اب جہاں تک نفقہ زوجہ کی بات ہے تو محض نکاح ہوجانے سے نفقہ واجب نہیں ہوتا بلکہ عورت کے تسلیم نفس سے نفقہ واجب ہوتا ہے، جب عورت مرد کے قید اختیار میں آجاتی ہے تو مرد کے ذمہ نفقہ واجب ہوجاتا ہے، لیکن اس میں ایک اصول یہ ہے کہ اگر مرد خود اپنی کسی مجبوری کے تحت عورت کو پاس نہ رکھ سکے مثلاً جماع کے قابل نہ ہو یا اپنی خواہش سے عورت کو پاس نہ رکھ سکے تو اس کی وجہ سے عورت کے حق نفقہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

”واشار المنصف الى ان شرط وجوب النفقة تسليم

المرأة: أما اذا لم تسلم نفسها اليه وقت وجوب التسليم فلا تجب النفقة.“

(البحرالرائق: ج٤، ص١٧٩ مطبوعہ ایچ، ایم سعید کراچی)

شرائط وجوب نفقہ

تفصیلاً تو یہ بحث بعد میں آئے گی لیکن اجمالاً ان صورتوں کا ذکر کیا جاتا ہے، جن صورتوں میں نفقہ واجب ہوتا ہے۔

① نکاح صحیح ہو۔

② عورت اپنے آپ کو مرد کے اختیار میں دے دے۔

③ عورت مشقت جماع کو برداشت کرسکتی ہو خواہ شوہر نابالغ ہو یا کسی وجہ سے جماع پر قادر نہ ہو۔

④ زوجہ اپنے باپ کے گھر میں مقیم ہو اور شوہر نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت نہ دی ہو یا بلا وجہ گھر آنے سے منع کیا ہو۔

⑤ عورت بر بنائے عدم ادائیگی مہر معجّل یا کسی اور جائز سبب کی بناء پر شوہر کے گھر آنے سے انکار کررہی ہو خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ۔

یہ وہ معروف صورتیں ہیں جن صورتوں میں مرد پر عورت کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔

اب نکاح کے بعد شوہر کے لئے ضروری ہے کہ وہ زوجہ کے ساتھ معروف طریقے سے پیش آئے اور حسن سلوک کرے، اس کے آرام و آسائش کا خیال رکھے نفقے کا خیال رکھے بالکل اسی طرح عورت کو بھی چاہئے کہ شوہر کی قدر کرے اسے عزت کی نگاہ سے دیکھے اس کے ہر حکم کی تعمیل کرے، تقویٰ کو اپنا شعار بنائے تب جا کر ہنسی خوشی زندگی گذرے گی۔

اب اگر کسی مرد کی ایک سے زائد بیویاں ہیں تو اسے چاہئے کہ منجملہ دیگر امور

کے نفقہ کے معاملے میں بھی ان میں عدل و مساوات قائم کرے اور انصاف کا دامن ہاتھ سے جانے نہ دیں۔ اسی طرح باکرہ، ثیبہ، نئی، پرانی، مسلمان کتابیہ میں بھی کوئی فرق نہ کرے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دے خواہ ایک صحت مند ہو اور دوسری بیمار ہو۔

بہر صورت یہ کوشش کرے کہ عدل و مساوات کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے کیونکہ اگر ایک مرتبہ عدل و مساوات کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا تو اس کے چھوٹنے سے بڑے بڑے اختلاف جنم لیتے ہیں اور اس قسم کا انتشار پیدا ہو جاتا ہے جس کا آخری نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مرد عورت دونوں کی زندگی غارت ہو جاتی ہے۔

فصل اوّل

سبب وجوب نفقہ

نکاح کی وجہ سے مرد و عورت کے ایک دوسرے پر جو حقوق واجب ہوتے ہیں ان میں سے ایک اہم ترین حق بیوی کا نفقہ ہے جو تین چیزوں کو شامل ہے: خوراک، پوشاک اور مکان۔

قرآن مجید نے مختلف مقامات میں اس کی تصریح کر دی ہے اور اسی طرح احادیث سے بھی یہ سب کچھ ثابت ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورۃ البقرہ آیت نمبر ۲۲۳، سورۃ الطلاق آیت نمبر ۷، سورۃ الطّلاق آیت نمبر ۶ میں اس کے تفصیلی احکام موجود ہیں اور اسی طرح احادیث سے بھی ثابت ہے کہ بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ واجب ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

"ولھن علیکم رزقھن وکسوتھن بالمعروف"

چنانچہ صاحب نصب الرایہ مکمل حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"رواہ مسلم و ابوداؤد ومالك فی الموطا عن جابر بن عبداللّٰہ." (نصب الرایہ ۳/۴۸)

اسی طرح حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی زوجہ نے ان کے بخل کی شکایت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کردی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے مال سے اتنا لے لو جتنا تمہارے اور تمہارے بچے کے لئے کفایت کر جائے، چنانچہ حدیث میں ہے:

"جاءت هند الى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقالت: يارسول اللّٰه ان ابا سفيان رجل شحيح وليس يعطينی ما يكفينی وولدی فقال خذی ما يكفيك وولدك بالمعروف."

علامہ شوکانی اس حدیث کے بارے میں رقمطراز ہیں:

"رواه الجماعة الا الترمذی عن عائشه"

(نیل الأوطار ج ٦ ص ٣٢٣)

اسی طرح امام ترمذی نے عمرو بن الاحوص کی سند سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

"ألا انّ لكم على نساء كم حقًّا ولنساء كم عليكم حقا...... الا وحقهن ان تحسنوبهن فی كسوتهن وطعامهن."

چونکہ نکاح میاں بیوی کے درمیان ایک عظیم معاہدہ ہے، جس کے پورا کرنے کی ذمہ داری میاں بیوی کے اُوپر لازم ہے تو اس لئے شوہر کی طرف سے بیوی کو مہر دینے نان ونفقہ ادا کرنے، حسن معاشرت اور محبت کے ساتھ زندگی گزارنے کا اقرار ہے اور بیوی کی طرف سے عفت و پاکدامنی، اطاعت وفرمانبرداری کا عہد و پیمان ہے، اب

اس نفقہ کے وجوب کا سبب کیا بنتا ہے، آیا محض نکاح اس وجوب نفقہ کا سبب ہے یا کوئی اور چیز۔ تو اس سلسلے میں فقہاء کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ شوہر پر عورت کے نفقے کے وجوب کا سبب عورت کا احتباس نفس ہے۔

چنانچہ مذاہب اربعہ کے معروف ناقل اور معروف اسکالر ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی اپنی معرکۃ الآراء کتاب ''الفقہ الاسلامی'' میں رقمطراز ہیں:

''فقال الحنفية سبب وجوبها استحقاق الحبس الثابت بالنكاح للزوج عليها.'' (الفقه الاسلامی وادلته. ج۱۰ ص۷۳۷۳)

لہٰذا نکاح کے بعد شوہر پر بیوی کا نفقہ لازم ہوجاتا ہے اور جب تک یہ ازدواجی تعلق قائم رہتا ہے تو شوہر پر اس کا نفقہ لازم رہے گا اور جب یہ تعلق ختم ہوجائے تو سبب کے ختم ہونے کی وجہ سے نفقے کا لزوم بھی باقی نہیں رہے گا۔

جس طرح نوکری اور ملازمت قائم ہونے کی وجہ سے تنخواہ کی ادائیگی لازم رہتی ہے اور ملازم کی نافرمانی یا بدعہدی کے سبب ملازمت کا تعلق ختم ہوجائے تو ملازمت کے ختم ہونے پر تنخواہ کی ادائیگی موقوف ہوجاتی ہے۔ بالکل یہی صورت نفقہ کی ہے جب تک تعلق قائم رہے گا تو نفقہ لازم رہے گا اور تعلق کے ختم ہونے کے ساتھ یہ لزوم ختم ہوجائے گا۔ چنانچہ قانونِ اسلامی کے قاضی القضاۃ فقیہ العصر علامہ ابن نجیم المصری رحمۃ اللہ علیہ نفقہ کے وجوب کا سبب بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب ''البحر الرائق'' میں لکھتے ہیں:

''نفقة الغير تجب على الغير باسباب ثلاثة بالزوجية والقرابة والملك .... النفقة جزاء الاحتباس فكل من كان محبوسًا بحق مقصود لغيره كانت نفقته عليه.''

(البحر الرائق: ج۴، ص۱۷۳ مطبوعہ ایچ، ایم سعید کراچی)

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسلام میں صرف تین وجوہات سے

نفقہ واجب ہوتا ہے۔ اوّل زوجیت، دوم قرابت، سوم ملک، آگے فرماتے ہیں کہ نفقہ کا وجوب احتباس نفس کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی کسی کو اپنے حق سے روکا جائے تو روکنے والے پر اس کا نفقہ واجب ہوگا۔ یہی بات امام علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع'' میں ذکر کی ہے:

''قال اصحابنا سبب وجوبها استحقاق الحبس الثابت بالنكاح للزوج عليها'' (بدائع الصنائع: ج٤، ص١٦، ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

''ونفقة الغير تجب على الغير باسباب ثلاثة: زوجية، وقرابة و ملك ...... لانها جزاء الاحتباس وكل محبوس لمنفعة غيره يلزمه نفقته كمفت وقاض ووصى وعامل ......'' الخ

(التنویر الابصار مع الدرالمختار، ج ٣ ص ٥٧٢ ایچ ایم سعید کراچی)

اسی طرح فتاویٰ ''قاضی خان'' میں ہے:

''النفقة تتعلق باشياء منها الزوجية والاحتباس فتجب على الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية والفقيرة والغنية.'' (قاضی خان: ج١ ص٤٢٤، ایچ ایم سعید)

علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''النفقة جزاء الاحتباس وكل من كان محبوسًا بحق مقصود لغيره كانت نفقته عليه اصلاً.''

(هداية: ج٢ ص٤١٤، ایچ، ایم سعید کراچی)

اسی طرح مذاہب اربعہ کے معروف ناقل الدکتور وہبۃ الزحیلی رقم طراز ہیں:

''وأسباب وجوبه ثلاثة: الزوجية، والقرابة الخاصة

والملك" (الفقه الاسلامی وادلته، ج:۱۰، ص۷۳۴۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

خلاصہ یہ کہ اسلام میں صرف تین وجوہات سے نفقہ واجب ہوتا ہے، قرابت زوجیت اور ملک اور نفقہ کے وجوب کا اصل سبب احتباس نفس ہے، یعنی کسی کو اپنے حق کی وجہ سے روکا جائے تو روکنے والے پر اس کا نفقہ واجب ہوتا ہے اگر تین وجوہ میں سے کوئی وجہ بھی نہ پائی جائے تو نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ مثلاً مطلقہ عورت طلاق دینے سے انقضاء عدت کے بعد شوہر سے اجنبی ہوجاتی ہے، جہاں چاہے شادی کرے یا نہ کرے، شوہر کو اس پر کوئی حق نہیں البتہ عدت کے نفقے کی ذمہ داری شوہر پر ہوتی ہے۔ جب مرد وعورت ایک دوسرے سے اجنبی ہوجائیں یعنی طلاق ہوجانے کے بعد عدت جب گزر جائے تو پھر مرد پر عورت کے لئے شرعی قانون کے تحت نفقہ واجب نہیں ہوتا۔ دنیاوی قانون کے تحت بھی کسی آزاد مرد کو کسی عورت کے لئے جب کوئی رشتہ اور تعلق نہ ہوتو نفقہ پر مجبور نہیں کیا جاسکتا۔

فصل ثانی

مقدار نفقہ کا بیان

نفقہ کی مقدار کیا ہوگی اور اس معاملے میں مرد کی حیثیت کا اعتبار کیا جائے گا یا عورت کا اس فصل میں اس مسئلے کو تفصیلاً بیان کیا جائے گا۔

زوجہ کے نفقہ کی تعیین میں مرد وعورت دونوں کی حیثیت کا اعتبار کیا جائے گا اگر دونوں کی حیثیت میں فرق ہو مثلاً زوجہ مالدار ہو اور شوہر غریب ہو یا شوہر مالدار ہو اور بیوی غریب ہوتو اس صورت میں اوسط درجے کا نفقہ ادا کیا جائے گا۔

علامہ ابن ہمام اور ابن نجیم رحمہما اللہ اور دیگر فقہاء کرام نے اس کی چار صورتیں بنائی ہیں:

(۱۱) زوجہ اور زوج دونوں مالدار ہوں۔

(۱۲) دونوں غریب ہوں۔

(۱۳) بیوی مالدار ہو اور شوہر غریب ہو۔

(۱۴) شوہر مالدار ہو، بیوی غریب ہو۔

پہلی صورت میں اس نفقے کی تعیین کی جائے گی جو نفقہ عام طور پر ان کی طرح امیر دیتے ہیں۔

دوسری صورت میں وہ نفقہ دیا جائے گا جو عام طور پر غریب دیتے ہیں۔

تیسری اور چوتھی صورت میں اوسط درجے کا نفقہ دیا جائے گا۔

چنانچہ علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"(ویعتبر فی ذلك حالهما جمیعًا) قال العبد الضعیف وهذا اختیار الخصاف وعلیه الفتوىٰ، وتفسیره انهما اذا كانا موسرین تجب نفقة الیسار، وان كانا معسرین تجب نفقة الاعسار، وان كانت معسرة والزوج موسرًا فنفقتها دون نفقة الموسرات وفوق نفقة المعسرات."

(فتح القدیر: ج٤، ص١٩٤ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اور اسی طرح فتاویٰ عالمگیریہ میں بھی لکھا ہے:

"والصحیح انهٗ یعتبر حالهما .... وعلیه الفتوىٰ حتی كان لها نفقة الیسار ان كانا موسرین، ونفقة العساران كانا معسرین وان كانت موسرة وهو معسر لها فوق ما یفرض." (الهندیه: ج١، ص٥٤٨، بیروت)

اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"(بقدر حالهما به یفتی) كذا فی الهدایه وهو قول

الخصاف وفی الولوالجیة وهو الصحیح وعلیه الفتویٰ
.... الخ." (ردالمحتار ج۳، ص۵۷٤، ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"اما باعتبار حاله او باعتبار حالهما واختار المصنف الثانی وهو قول الخصاف وفی الهدایه وعلیه الفتوی ...... وحاصله انه عمل بالآیات والحدیث ...... واتفقوا علی وجوب نفقة الموسرین اذا کانا موسرین وعلی نفقة المعسرین اذاکانا معسرین ...... فتجب نفقة الوسط فی المسئلتین وهی فوق نفقة المعسرة ودون نفقة الموسرة." (البحرالرائق: ج٤، ص۱۷۵ مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

نفقہ میں مرد کو کونسی اشیاء دینی ہوں گی

(۱) شوہر کو از روئے شرع یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو اپنے پاس روکے رکھے اور اس کا معاوضہ نفقہ کی صورت میں ادا کرے اور عموماً تین اشیاء نفقہ سے مراد لی جاتی ہیں۔ خوراک، پوشاک اور مسکن، لیکن اس میں دیگر ضروری اشیاء صابن، تیل، پانی وغیرہ اور وہ چیزیں جو عورت کے آرام و آسائش کے لئے ضروری ہوں شامل ہیں، یہ تمام اشیاء مرد پر نفقہ کے طور پر واجب ہیں۔

چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "البحر الرائق" میں واضح انداز میں اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے:

"والنفقة: هی الخبز واللحم ودهن الرأس ودهن السراج وثمن الماء ولون من الفاکهة وعلی المعسر من الطعام خبز الشعیر اذا کان ذلك طعام فقرائهم وعشرة اساتیر

من اللحم ولا شئی لا من الفاکھۃ."

(البحرالرائق: ج٤، ص١٧٥، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح الدکتور وھبۃ الزحیلی رقم طراز ہیں:

"الحقوق الواجبة بالزوجیة وھی سبعة: الطعام والإدام والکسوة وآلة التنظیف ومتاع البیت والسکنیٰ."

.... (الفقه الاسلامی ج١٠، ص٧٣٤٩، مکتبہ رشیدیہ)

⑫ اسی طرح اگر عورت کھانا پکانے اور کپڑے سینے سے انکار کردے تو مرد اس کو اس پر مجبور نہیں کرسکتا کہ وہ کھانا پکائے یا کپڑے سیئے بلکہ مرد پر یہ لازم ہے کہ وہ سلا ہوا کپڑا فراہم کرے اور پکا ہوا کھانا مہیا کرے۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وان قالت لا اطبخ ولاأخبز قال فی الکتاب لاتجبر علی الطبخ والخبز وعلی الزوج ان یأتیھا بطعام مھیأ او یأتیھا بمن یکفیھا عمل الطبخ والخبز. قال الفقیه ابو اللیث رحمه الله ان امتنعت المرأة عن الطبخ والخبزانما یجب علی الزوج ان یأتیھا بطعام مھیأ."

(عالمگیری: ج١، ص٥٤٨، بیروت)

⑬ مرد پر یہ بھی واجب ہے کہ عورت کو علیحدہ مکان میں رکھے یا مکان مشترک کے ایسے حصے میں رکھے جس کے آنے جانے کا راستہ الگ ہو، ہاں! البتہ اگر عورت خود اپنی مرضی سے مشترک مکان میں شوہر کے والدین اور رشتہ داروں کے ساتھ رہے تو پھر الگ مکان کی ضرورت نہیں۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"تجب السکنی لھا علیه فی بیت خال عن اھله واھلھا

الا ان تختار ذلك كذا في العيني شرح الكنز."

(هندية: ج۱، ص۵۵٦ بيروت)

اسی طرح شمس العلماء علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"ولواراد الزوج أن يسكنها مع ضرتها او مع احمائها كأم الزوج واخته وبنته من غيرها وأقاربه فأبت ذلك عليه أن يسكنها في منزل مفرد لأنهن ربما يوذينها ويفرون بها في المساكنة واباؤها دليل الاذى والضرر ولانه يحتاج الى ان يجامعها ويعاشرها في أى وقت يتفق ولا يمكنه ذلك اذا كان معها الثالث."

(بدائع الصنائع: ج٤، ص۲۳، ایچ ایم سعید)

اسی طرح فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

"اما السكنى فحقها في بيت على حدة تأمن على متاعها ولا تستحى عن غيرها من معاشرة الزوج فان كان للرجل والدة او اخت او ولد من غيرها في منزلها فقالت صرفي في منزل على حدة كان لها ذلك لانها لا تامن على متاعها وتستحى عن المعاشرة."

(قاضي خان: ج۱، ص٤۲۸ بيروت)

البتہ اگر شوہر عورت کو علیحدہ مکان میں تو رکھے لیکن وہ جگہ ایسی ہو کہ اس مکان کے ارد گرد کوئی اور مکان نہ ہو، صحراء ہو، آبادی بالکل نہ ہو تو پھر اس صورت میں عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ اس مکان میں رہنے پر راضی نہ ہو، اگر راضی ہوگئی تو درست ہے لیکن اگر راضی نہیں ہے تو مرد پر واجب ہے کہ کسی ایسے مکان میں رکھے جس کے پڑوس میں شرفاء، صلحاء رہائش پذیر ہوں۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وان اسکنها فی منزل لیس معها احد فشکت الی القاضی أن الزوج یضربها ویوذیها وسألت القاضی أن یامره أن یسکنها بین قوم صالحین یعرفون احسانه واسائته." (هندیه: ج۱، ص۵۵٦، بیروت)

اسی طرح علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے "بدائع الصنائع" میں لکھا ہے:

"ولو کانت فی منزل الزوج ولیس معها احد یساکنها فشکت الی القاضی ان الزوج یضربها ویؤذیهاسأل القاضی جیرانها فإن اخبروا بما قالت وهم قوم صالحون فالقاضی یؤدبه ویأمر بأن یحسن الیها."

(بدائع الصنائع، ج٤، ص۲۳، ایچ ایم سعید)

(۴) شوہر کے ذمہ یہ بھی واجب ہے کہ وہ سال میں دو مرتبہ زوجہ کو کپڑے سلوا کر دے، گرمیوں میں گرمی کی ضرورت کے موافق اور سردیوں میں سردی کی ضرورت کے موافق۔ البتہ لباس کی تعداد و حیثیت دونوں کے موافق ہونی چاہئے یعنی اگر دونوں امیر ہوں تو امیروں کا لباس اور اگر دونوں غریب ہوں تو غریبوں کا لباس، اگر ایک غریب اور دوسرا مالدار ہو تو متوسط درجے کا لباس ہونا چاہئے۔ ہاں کپڑے کی نوعیت میں ہر قسم کے رسم و رواج کا لحاظ ضروری ہے، لباس کے ساتھ جوتے وغیرہ بھی شامل ہوں گے یعنی جس طرح مرد کو لباس دینا واجب ہے بالکل اسی طرح اس کے ضمن میں جوتے وغیرہ دینا بھی واجب ہوں گے۔

چنانچہ شمس العلماء علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"والکسوة نظرا من الجانبین فکان اولی من اعتبار حال احدهما ...... ومن الکسوة ما یکفیها من الصیفیة

والشتوية.“ (بدائع الصنائع، ج٤، ص٢٤، ایچ ایم سعید)

اسی طرح فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے:

”وانما تفرض الکسوة فی السنة مرتین فی کل ستة اشھر مرة کذا فی المبسوط .... الخ“

(ھندیة: ج١، ص٥٥٥، بیروت).

اسی طرح علامہ شمس الدین سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مبسوط“ میں لکھا ہے:

”فاما الکسوة فانما تفرض فی السنة مرتین فی کل ستة اشھر مرة الخ“ (مبسوط للسرخسی: ج٥، ص١٨٣، بیروت لبنان)

اسی طرح الدکتور وہبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

”ویجب لھا الکسوة فی کل سنة مرتین: صیفیة وشتویه لتجدد الحاجة فی الحر والبرد.“

(الفقه الاسلامی وأدلته ج١٠، ص٧٣٩٠ مطبوعہ رشیدہ کوئٹہ)

زوج کے امیر وغریب ہونے کے بارے میں اختلافِ زوجین

اگر میاں بیوی کے مابین اختلاف ہوجائے کہ شوہر کہے کہ میں غریب ہوں اور بیوی کہے کہ نہیں تو مالدار ہے اور دونوں اپنے قول پر ڈٹے رہیں تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟

تو اس سلسلے میں فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اس معاملے میں زوج کی بات قسم کے ساتھ قبول کی جائے گی اور اسے غریب سمجھنے کا حکم قاضی صادر کرے گا، جبکہ قاضی کو ان دونوں کی حالتوں کا بھی علم نہ ہو اور دعویٰ پر کوئی دلیل بھی نہ ہو۔ چنانچہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”بدائع الصنائع“ میں لکھا ہے:

”ولو اختلفا فقالت المرأة انه مؤسرو علیه نفقة

الموسرين وقال الزوج أني معسر وعلى نفقة المعسرين والقاضي لايعلم بحاله ذكر في كتاب النكاح إن القول قول الزوج مع يمينه وكذا ذكر القاضي والخصاف."

(بدائع الصنائع: ج٤، ص٢٥، ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"وان اختلفا في اليسار والاعسار فالقول قوله إلا ان تقيم المرأة البينة." (البحرالرائق ج٤، ص١٨٤، مکتبہ رشیدیہ)

اگر شوہر نفقہ ادا نہ کرے تو کیا کیا جائے؟

ایک شخص ایسا ہے جو نفقہ ادا نہیں کرتا اور بار بار تنبیہ کی گئی، اس کی طرف متوجہ کیا گیا، اس کے باوجود وہ نفقہ ادا نہیں کرتا، اس وجہ سے نہیں کہ وہ نفقہ ادا کرنے پر قادر ہے لیکن ادا نہیں کرتا بلکہ وہ نفقہ ادا کرنے پر قادر ہی نہیں مثلاً شوہر موجود ہی نہیں یا اس کے پاس نفقہ ادا کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے تو کیا کریں۔

اس مسئلہ میں عام فقہاء جن میں امام مالک، امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ بھی شامل ہیں، اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے بیوی کو فسخ نکاح کا مطالبہ کرنے کا حق حاصل ہے البتہ طریق کار اور شرائط میں ان کے درمیان کچھ اختلاف ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ محض اس وجہ سے فسخ نکاح کی اجازت نہیں دیتے، احناف کے دلائل کچھ اس طرح ہیں، قرآن مجید میں ہے:

﴿ولينفق ذو سعة من سعته ومن قدر عليه رزقه فلينفق مما آتاه الله لا يكلف الله نفسا الا ما آتاها الخ﴾

(الآية: سورة الطلاق: ٧)

اس آیت کے تحت خاتمۃ المحققین مفتی بغداد علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ

لکھتے ہیں:

"واستدل بالآية من قال لا فسخ بالعجز عن الانفاق على الزوجة وهو ماذهب اليه عمر بن عبدالعزيز وابو حنيفة وجماعة وعن ابى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه والحسن وابن المسيب ومالك والشافعى و احمد واسحق رحمهم الله تعالىٰ عليهم اجمعين يفسخ النكاح بالعجز عن الانفاق ويفرق بين الزوجين ......"

(روح المعانی: ج۲۸، ص۱٤۰، رشیدیہ لاہور)

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس آیت سے وہ حضرات استدلال کرتے ہیں جن کے ہاں نفقہ سے عاجز ہونے کی وجہ سے فسخ نکاح نہیں کر سکتے ہیں، یہی رائے عمر بن عبدالعزیز، امام ابوحنیفہ اور ایک جماعت کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسن، ابن المسیب، امام مالک، شافعی، احمد اور اسحٰق رحمہم اللہ تعالیٰ کی رائے یہ ہے کہ نفقہ سے عاجز ہونے کی وجہ سے نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے اور مرد وعورت دونوں کے مابین تفریق کی جاسکتی ہے۔ چنانچہ امام ابی بکر احمد بن علی الجصاص رحمۃ اللہ علیہ "احکام القرآن" میں لکھتے ہیں:

"اذا لم يقدر على النفقة لم يكلفه الله الانفاق فى هذه الحال واذا لم يكلف الانفاق فى هذه الحال لم يجز التفريق بينه وبين امرأته لعجزه عن نفقتها و فى ذلك دليل على بطلان قول من فرق بين العاجز عن نفقة امرأته وبينها." (احكام القرآن: ج۳، ص٤٦٤، سہیل اکیڈمی لاہور)

امام ابی بکر احمد بن علی جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب وہ نفقہ پر قادر ہی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے اس حالت میں نفقہ کا مکلف ہی نہیں بنایا اور جب وہ

نفقے کا مکلّف ہی نہیں ہے تو مرد وعورت کے مابین تفریق ہی جائز نہیں، نفقہ سے عاجز ہونے کی وجہ سے اور یہ اس قول کے بطلان پر دلیل ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ عاجز عن النفقہ اور عورت کے درمیان تفریق کی جائے گی۔ اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"(ولا يفرق بعجزه عن النفقة) لا نه لو فرّق بينهما لبطل حقه ولو لم يفرق لتأخر حقها والاوّل اقوى فى الضرر ولان النفقة تصير دينًا ...."

(البحرالرائق: ج٤، ص١٨٤، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفقہ دینے سے عاجز آنے کی وجہ سے تفریق نہیں کی جائے گی، اس لئے کہ اگر تفریق کرلے تو مرد کا حق بالکل باطل ہوتا ہے، اگر تفریق نہ کرے تو زیادہ سے زیادہ تاخرحق لازم آئے گا اور ان دونوں ضرروں میں پہلا زیادہ قوی اور سخت ہے۔ اس لئے تفریق نہیں کی جائے گی اور یہ نفقہ اس کے ذمے قرض ہوگا۔ بحالت مالداری (جب اس کے پاس مال آجائے) تو وہ اس قرضے کو ادا کرکے چھٹکارا حاصل کرلے گا۔

اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"(ولا يفرّق بينهما بعجزه عنها) أى كان غائبًا او حاضرًا."

(الردالمحتار: ج۳، ص۵۹۰، ایچ ایم سعید)

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرمارہے ہیں کہ مرد وعورت کے مابین تفریق نہیں کی جائے گی، نفقہ سے عاجز آنے کی وجہ سے، چاہے مرد غائب ہو یا حاضر۔

احناف کی پہلی دلیل

مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وسعت وکشائش کے مطابق ہی مرد پر اللہ

تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق سے نفقہ واجب ہوتا ہے اور اسی کا وہ مکلّف ہے، اس طرح اگر کوئی مفلس اور بالکل تنگ دست ہے تو اس پر نفقہ واجب نہیں ہے، اس لئے اس صورت میں اس کا نفقہ ادا نہ کرنا کوئی جرم قرار نہیں دیا جاسکتا کہ اسے جرم قرار دے کر اس کے بدلے زوجین کے مابین تفریق کرادی جائے۔

احناف کی دوسری دلیل

حدیث سے ثابت ہے کہ ایک دفعہ ازواجِ مطہرات نفقہ کا مطالبہ کررہی تھیں۔ اس دوران حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تشریف لائے دورانِ گفتگو ان حضرات کو ازواجِ مطہرات کے اس مطالبے کا علم ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سرزنش کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی سرزنش کی اور کہا کہ تم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چیز مانگتی ہو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو اس سے منع نہیں فرمایا۔ علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے آیت تخییر کے ذیل میں یہ واقعہ نقل کیا ہے:

"حدثنا ابو عامر عبدالملك بن عمير ثنا زكريا بن اسحٰق عن ابی الزبير عن جابر رضی اللّٰه عنه قال: اقبل ابوبكر رضی اللّٰه عنه يستأذن علی رسول اللّٰه صلی اللّٰه عليه وسلم والناس ببابه جلوس والنبی صلی اللّٰه عليه وسلم جالس فلم يؤذن له ثم اقبل عمر رضی اللّٰه عنه فاستأذن فلم يؤذن له ثم أذن لأبی بكر و عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنهما فدخلا والنبی صلی اللّٰه عليه وسلم جالس وحوله نساؤه وهو صلی اللّٰه عليه وسلم ساكت، فقال

عمر رضی اللّٰہ عنه لاکلمن النبی صلی الله علیه وسلم لعله یضحك فقال عمر رضی اللّٰہ تعالٰی عنه یارسول اللّٰہ لورأیت ابنة زید. امرأة عمر. سألتنی النفقة أنفاً فرجأت عنقها فضحك النبی صلی الله علیه وسلم حتی بدات نواجذهٗ وقال "هن حولی یسألننی النفقة" فقام ابوبکر الی عائشة لیضربها وقام عمر الی حفصة کلاهما یقولان تسألان النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم ما لیس عندهٗ. (ابن کثیر: ج۳، ص۴۸۱، سہیل اکیڈمی، لاہور)

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر شوہر نفقہ کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو اس پر نفقہ واجب نہیں۔

احناف کی تیسری دلیل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتنی غربت تھی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں غربت کی وجہ سے کسی کا نکاح فسخ نہیں کیا گیا، یہ بھی دلیل ہے اس پر کہ عاجز عن النفقہ شخص کا نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا، اگر فسخ نکاح کا حکم ہوتا تو یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کسی نہ کسی کا نکاح فسخ کر دیا جاتا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قسم کا فیصلہ ثابت نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ محض نفقہ سے عاجز ہونے کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا۔ ان تمام دلائل کو مدنظر رکھ کر ہر ذی عقل آدمی اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ محض نفقہ کی عدم ادائیگی کی وجہ سے نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا۔

جمہور کے دلائل

جمہور کے دلائل یہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ولا تضاروهن.﴾ (سورة طلاق، آیت ٦)

ترجمہ: "عورتوں کو تکلیف میں مبتلا نہ رکھو۔"

"أي فامساك بمعروف او تسريح باحسان"

ترجمہ: "یا تو بھلے طریقے پر روک رکھو یا خوش اسلوبی کے ساتھ چھوڑ دو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کو کسی قسم کا ضرر پہنچانا جائز نہیں، جس میں نفقہ سے محروم رکھنا بھی داخل ہے اور ایسی صورت میں یا تو امساک بالمعروف کرنا چاہئے کہ اس کے حقوق ادا کرتے ہوئے اس کو رکھا جائے یا تسریح بالاحسان یعنی گلو خلاصی کر دی جائے۔ لہٰذا جب وہ "امساک بالمعروف" پر قادر نہیں ہے تو تسریح بالاحسان اس پر واجب ہے اور وہ اس پر آمادہ نہیں ہے تو قاضی ان کے درمیان تفریق کرا دے۔

⑫ دار قطنی اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص کے حق میں جو بیوی کا نفقہ ادا نہ کر سکے، فرمان نقل کیا ہے کہ "يفرق بينهما" (دونوں کے درمیان تفریق کر دی جائے)

⑬ سعید بن منصور نے سعید بن مسیّب سے نقل کیا ہے کہ ان سے ایسے اشخاص کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا "يفرق بينهما" پھر جب "ابوالزناد" نے سعید سے دریافت کیا "کیا یہ سنت ہے؟" تو فرمایا "ہاں سنت ہے۔" یہ روایت گو کہ مرسل ہے مگر سعید بن مسیّب کی مرسل روایات تقریباً تمام ہی محدثین و فقہاء کے ہاں قابل استدلال ہیں۔ (قواعد فی علوم الحدیث۔ ص ۱۳۹)

حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہ توجیہ کرنے کی کوشش کی ہے کہ "سنت" سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت مراد ہے، مگر یہ عرف و استعمال کے بالکل خلاف ہے۔ "سنت" کا مطلق لفظ صاف بتاتا ہے کہ حضرت سفیان نے اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی سنت قرار دیا ہے۔

④ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل عبداللہ بن عمر سے امام شافعی اور بیہقی نے اس طرح نقل کیا ہے:

"كتب عمر الى امراء الاجناد أدعوا فلانا ناسا انقطعوا عن المدينة ورحلوا عنها اما ان يرجعوا الى نساء هم واما ان يبعثوا بنفقتهن اليهن واما أن يطلقوا ويبعثوا بنفقة ما مضى و بذالك يكون للمرأة حق فى محاسبة الزوج بالنفقة الماضية فان امتنع الزوج عن الانفاق فالزوجة بالخيار ان شاءت بقيت على نكاحها وان شاءت طلبت التفريق." (موسوعة عمر بن الخطاب. ص٦٤، نفقة الزوجه)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امراء لشکر کو لکھا کہ فلاں شخص کو کہو (جو مدینہ سے چلے گئے تھے اور وہاں سے کوچ کر چکے تھے) کہ یا تو اپنی بیویوں کے پاس واپس آئیں یا ان کا نفقہ بھیجیں اور یا طلاق دے دیں اور گزرے ہوئے دنوں کا نفقہ بھی بھیجیں اور اسی لئے عورت کو اس بات کا حق ہے کہ شوہر سے گزرے ہوئے دنوں کے نفقہ کا حساب بھی کر لے۔ پس اگر شوہر نفقہ ادا کرنے سے رُک جائے تو بیوی کو اختیار ہوگا اگر چاہے تو اس نکاح کو باقی رکھے یا علیحدگی کا مطالبہ کرے۔

⑤ آپ نے فرمایا "لا ضرر ولا ضرار" (نہ نقصان اٹھاؤ، نہ پہنچاؤ) یہ فقہ کا ایک عام اور بنیادی قاعدہ بھی ہے، اس کا بھی تقاضا یہی ہے کہ دفع ضرر کے لئے قاضی مرد کو طلاق پر مجبور کرے یا دونوں کے درمیان تفریق کرا دے۔

⑥ اگر کوئی شخص غلام کا نفقہ ادا نہ کر سکے تو احناف بھی کہتے ہیں کہ اس پر واجب ہے کہ اسے فروخت کر کے اپنی ملکیت سے نکال دے۔ تو بیوی کے حق میں تو بدرجۂ اولیٰ یہ بات واجب ہوگی کہ اس کو طلاق دے کر آزاد کر دیا جائے۔

⑦ نامردی کی وجہ سے احناف کے یہاں بھی بیوی فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے

حالانکہ اس کی ضرورت وقتی بھی ہے اور بھوک کے مقابلے میں قابل برداشت بھی۔ اس کا تقاضا ہے کہ نفقہ سے محرومی کی صورت میں بدرجۂ اولیٰ فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ہو۔

احناف کے دلائل پر ایک نظر

احناف نے جو دلائل پیش کئے ہیں حقیقت یہ ہے کہ ان کے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں، قرآن کی جس آیت (سورۃ الطّلاق سے) کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے زیادہ سے زیادہ یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے کہ مرد اگر نفقہ پر قادر نہ ہو تو بیوی کا نفقہ اس کے ذمہ واجب نہ ہوگا لیکن عورت کو طلاق کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا یا نہ ہوگا؟ یہ بالکل علیحدہ مسئلہ ہے اور قرآن نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

حدیث سے بھی صرف اس قدر ثابت ہے کہ ازواج مطہرات نے نفقہ کا مطالبہ کیا یہ مطالبہ عدم قدرت کی وجہ سے ناواجبی تھا اس لئے آپ نے شیخین رضی اللہ عنہما کی تنبیہ پر خاموشی اختیار فرمائی۔ خصوصاً اس وجہ سے کہ وہ اپنی بیٹیوں کو تنبیہ کر رہے تھے اور باپ کو اس کا حق حاصل ہے۔ ہاں اگر ازواج مطہرات علیحدگی کا مطالبہ کرتیں اور اب بھی آپ سکوت اختیار فرماتے تو یہ استدلال بجا ہوتا۔

اسی طرح یہ کہنا کہ نفقہ میں تنگی کی وجہ سے کسی صحابی کا نکاح فسخ نہیں کیا گیا یہ بھی اس وقت دلیل بن سکتا ہے جب یہ بات ثابت ہوتی کہ بعض صحابہ کی بیویوں نے طلاق کا مطالبہ کیا ہو اور آپ نے مسترد کر دیا ہو۔ جب بیویوں نے مطالبہ ہی نہیں کیا اور اس کا ثبوت نہیں ہے تو اس کی وجہ سے فسخ نکاح کا ثبوت کیونکر مل سکتا ہے؟

موجودہ حالات کا تقاضا

لیکن دلائل سے قطع نظر فقہاء احناف رحمہم اللہ نے ایسی عورتوں کے لئے جو متبادل اور حل پیش کیا ہے موجودہ حالات میں وہ قریب قریب ناقابل عمل ہے۔ جہاں

اسلامی حکومت ہو، عدل وانصاف کا کم مدتی اور سہل نظام موجود ہو، اسلامی بیت المال ہو جس کا ایک مستقل مقروضوں کی اعانت اور ان کے قرضوں کی ادائیگی میں مدد اور محتاجوں کے لئے سرکاری خزانہ سے کفالت کی گنجائش ہو، پھر اسلامی حکومت یا شریعت کے نفاذ کی وجہ سے اخلاقی برائیاں اور اس کے محرکات کم سے کم ہوں، وہاں اگر عورت کو شوہر کے نام پر قرض لینے کو کہا جائے تو یہ قابل عمل بھی ہے اور قابل فہم بھی۔

لیکن جہاں نہ اسلامی حکومت ہے نہ اسلامی بیت المال ہے، پیسوں اور روپیوں میں انسانی عصمت وعفت کا برسرعام سودا ہوا کرتا ہے اور پیسوں کی کھنک پر عورتوں کے گریبان عصمت کے تارتار الگ کئے جاتے ہوں، سود کی لعنت نے قرضِ حسنہ کے بجائے پیسوں سے پیسے حاصل کرنے کی ہوس پیدا کر رکھی ہے، مقروض کے لئے تعاون کی کوئی خاص مد نہ ہو اور بے سہاروں کی کفالت کا کوئی نظام نہ ہو اور عدالت سے انصاف حاصل کرنے کے لئے نہ صرف زر کثیر بلکہ "صبر ایوب" بھی مطلوب ہو، وہاں بھی اگر عورتوں کا نکاح ان کے مطالبہ کے باوجود شوہر سے فسخ نہ کیا جائے تو یہ اس کی جان کے لئے بھی مہلک ہے اور اس کی عصمت وعفت کے لئے بھی خطرہ ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہندوپاک جیسے ممالک میں اس مسئلہ میں جمہور فقہاء کے مسلک پر عمل کیا جائے اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی نظیر کو پیش نظر رکھا جائے۔

مالکیہ کا مسلک

البتہ دیکھنا یہ چاہئے کہ اس سلسلہ میں طریق کار کیا اختیار کرنا چاہئے اس کے لئے ضروری ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے مسلک کی تفصیلات پر ایک نظر ڈال لی جائے۔

امام مالک کے مسلک کی تفصیل اس طرح ہے: شوہر گزرے ہوئے ایام کا نفقہ دینے پر قادر نہ ہو مگر حالیہ دنوں کا نفقہ دیتا رہے تو بیوی کو حق نہیں کہ فسخ نکاح کا مطالبہ کرے۔

"ولها الفسخ ان عجز عن نفقة حاضرة لا ماضية"

اگر نکاح کے وقت عورت شوہر کی تنگدستی، فقر و محتاجی اور نفقہ ادا کرنے کی عدم استطاعت سے واقف ہو یا اس کو واقف کرا دیا گیا ہو، پھر بھی اس مرد سے نکاح کر لے تو اب بھی اس کو حق نہیں کہ شوہر کی تنگدستی کی بناء پر نفقہ کا مطالبہ کرے۔ "ان لم تعلم حال العقد فقره"

عورت کا معیارِ زندگی کچھ بھی ہو لیکن مرد معمولی قسم کی غذا اور کپڑا بھی مہیا کر سکے تو عورت فسخ نکاح کا مطالبہ نہیں کر سکتی۔

"ان قدر علی القوت ولو من خشن الماکول وھی علیّة القدر او خبز بغیر ادم و علی مایواری العورة ولو من غلیظ الصوف (وان) کانت (غنیة) شانها لبس الحریر."

قاضی کے پاس جب شوہر کا نفقہ ادا کرنے سے عاجز ہو جانا ثابت ہو جائے اور شوہر موجود ہو تو قاضی اپنی صوابدید سے اس کو کسب معاش اور ادائیگی نفقہ کے لئے ایک مہلت دے۔ اگر اب بھی وہ نفقہ ادا نہ کر سکے تو قاضی اسے حکم دے کہ یا تو نفقہ ادا کرو یا پھر فی الفور اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔ اگر شوہر طلاق دینے سے گریز کرے تو خود قاضی اس کی طرف سے طلاق دے دے۔

"فان اثبت عسرة تلوم له بالاجتهاد والا امر بها او بالطلاق بلا تلوم فان طلق او انفق والا طلق علیه بان یقول الحاکم فسخت نکاحه."

اگر شوہر موجود نہ ہو نہ عورت کے لئے نفقہ چھوڑ کر گیا ہو نہ خود عورت نے نفقہ معاف کیا ہو اور نہ شوہر کی طرف سے نفقہ کی ادائیگی کا وکیل ہو تو اگر اتنا دور ہے کہ آتے آتے دس دن لگ جائیں گے تو قاضی نکاح فسخ کر دے گا اور اگر شوہر قریب ہی ہو تو اسے طلب کرے گا کہ خود آؤ یا نفقہ بھیجو یا پھر طلاق دے دو، اور شوہر اگر اس کی حکم

عدولی کرے تو عام اصول کے مطابق خود قاضی کو اختیار حاصل ہو جائے گا کہ وہ طلاق دے دے۔

اگر شوہر صرف اس قدر نفقہ ادا کرنے پر قادر ہو کہ بیوی جی لے اور موت و ہلاکت سے اپنے کو بچا لے مگر آسودہ و مطمئن نہ ہو سکے تو اس نفقہ کا بھی اعتبار نہیں اور قاضی اس کا نکاح فسخ کر دے گا۔

"(کان وجد ما یسد الرمق) ای ما یحفظ الحیاۃ خاصۃ دون شبع معتاد ومتوسط فانه یطلق علیه اذ لا صبر لها عادۃ علیٰ ذلك."

البتہ اگر مدت کے دوران ہی شوہر بیوی کا مروّج طریقہ پر نفقہ ادا کرنے پر قادر ہو گیا تو اسے بیوی کو لوٹا لینے کی گنجائش ہوگی۔ مدت گزر جانے کے بعد یہ حق باقی نہیں رہے گا۔

"(وله) ای الزوج الذی طلق علیه لعسرۃ (رجعتها) ان وجد فی العدۃ یسارا یقوم بواجب مثلها عادۃ." (الشرح الصغیر ج۲، ص۷۴۵، شرح رسالہ ابن ابی زید القیروانی. ص۴۹۳)

اگر شوہر نے نفقہ ادا نہ کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ وہ اس سے عاجز تھا لیکن قاضی کے سامنے وہ اپنی مجبوری ثابت نہ کر سکا تو قاضی فی الفور اس کی طرف سے طلاق دے دے گا۔

"یدعی العجز عن النفقۃ ولم یثبت عجزہ فی هذہ الحالۃ یطلق علیه القاضی حالاً علی المعتمد."

اور اگر وہ قدرت کے باوجود نفقہ ادا نہ کرے اور خود اس کا معترف ہو تو ایک رائے یہ ہے کہ اس کو قید کر دیا جائے، یہاں تک کہ نفقہ ادا کرنے لگے۔ ایک رائے ہے کہ اس سے طلاق دلوائی جائے تاہم اگر وہ ان میں سے کسی کو قبول نہ کرے تو پھر

قاضی نکاح فسخ کر دے گا۔

"فاذا لم یجب علیه بشئی طلق القاضی علیه فورًا"

شوافع کا مسلک

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں احکام اس طرح ہیں: شوہر آخری درجہ کا نفقہ لباس اور رہائش گاہ بھی فراہم نہ کر سکتا ہو۔ "ان یعجز عن اقل نفقة"

موجودہ دنوں اور آنے والے دنوں کا نفقہ بھی ادا نہ کر سکے۔ گذشتہ دنوں کا بقایا ادا نہ کر سکے تو اس کی وجہ سے نکاح فسخ نہ ہوگا۔

"ان یکون عاجزاً عن النفقة الحاضرة او المستقبلة اما العجز عن النفقة المتجمدة فلا فسخ به."

بیوی کا نفقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو۔ اس کے خادم کا نفقہ ادا نہ کر سکے تو موجب فسخ نہیں۔

"ان یکون عاجزا عن نفقة الزوجة."

ان شرطوں کے ساتھ شوہر کی عسرت کی بناء پر قاضی عورت کا نکاح فسخ کر دے گا۔ اگر شوہر خوش حال ہو لیکن قصداً نفقہ نہ ادا کرے تو نکاح فسخ نہ کیا جائے گا، بلکہ عدالت جبراً اس سے نفقہ وصول کرے گی۔

اگر شوہر غائب ہو تو اس کے خوش حال اور تنگ دست ہونے کا اعتبار ہوگا، اگر تنگ دست ہے تو قاضی نکاح فسخ کر دے گا اور خوشحال ہو اور اس کی جائداد موجود ہو تو چاہے اس کا کوئی پتہ نہ چلتا ہو پھر بھی نکاح فسخ نہیں ہوگا بلکہ اس کے مال میں سے نفقہ ادا کیا جائے گا۔

"واذا کان الزوج غائبا ولم یثبت العسارة ببینة یکون کالحاضر الممتنع فلیس لها طلب فسخ نکاحه سواء

انقطع خبره اولم ينقطع على المعتد."

(كتاب الفقه على مذاهب الاربعه. ج٤، ص٥٨٣)

البتہ عورت کی نکاح سے قبل شوہر کے حالات سے واقفیت اور ناواقفیت کا اعتبار نہیں۔ اگر وہ واقف ہو پھر بھی نکاح کے بعد نفقہ سے محرومی کی وجہ سے اسے طلاق کا مطالبہ کرنے کا حق ہوگا۔ اس لئے کہ ممکن ہے اس نے اس توقع پر نکاح کیا ہو کہ آئندہ وہ کسب معاش کرنے لگے گا۔

"ولا يشترط عدم علمها بفقره عند العقد فاذا علمت ورضيت به ثم عجز عن الانفاق كان لها الفسخ"

اور خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں:

"ولو علمت عسرةً لانه يمكن ان يوسر."

(مختصر المزنی ص۲۳۳)

شوافع کے مسلک کی ایک خاص قابل ذکر بات یہ ہے کہ اگر قاضی عورت کے حلقہ میں نہ رہتا ہو تو وہ شوہر کو نفقہ حاصل کرنے کے لئے تین دنوں کی مہلت دے کر خود بھی اپنے آپ پر طلاق واقع کر سکتی ہے۔

"فاذا لم يكن في جهتها قاضي ولا محكم امهلته ثلاثة ايام وفسخت العقد في صبيحة الرابع بنفسها."

(كتاب الفقه على مذاهب الاربعة. ج٤، ص٥٨٢)

حنابلہ کا مسلک

امام احمد کے ہاں اکثر مسائل شوافع کے مطابق ہیں، عورت کے نکاح سے پہلے شوہر کی عسرت سے واقفیت بلکہ اس پر راضی ہونے کے باوجود عورت طلاق کا مطالبہ کرنے کی مجاز ہے، شوہر کو نفقہ فراہم کرنے کی مہلت ان کے ہاں بھی تین دن ہے۔

امام احمد کہتے ہیں کہ جو شوہر صانع یا تاجر وغیرہ ہو اور وقتی تنگی یا بیماری میں مبتلا ہے اس کے لئے کچھ زیادہ دنوں کی مہلت دی جائے گی۔ البتہ عورت کا نکاح فسخ کرنے کا مجاز صرف قاضی ہی ہوگا۔

"وان عسر الزوج بنفقتها او ببعضها من نفقة العسر لا بمازاد منها او العسر بالكسوة او ببعضها او بالسكنى او المهر بشرط خيرت على التراخى بين الفسخ من غير انتظار وبين المقام وتمكينه ...... ولو كانت موسرة فان اختارت المقام اورضيت بعسرته اوتزوجته عالمة به او بشرط أن لا ينفق عليها او اسقطت النفقة المستقبلة ثم بدألها الفسخ فلها ذلك." (الاقناع: ج٤، ص١٤٦)

مہلت کی مدت

شوہر کو نفقہ ادا کرنے پر قدرت کے لئے کس قدر مہلت دی جائے گی۔ اس سلسلہ میں علامہ صنعانی نے لکھا ہے کہ امام مالک کے ہاں ایک ماہ، امام شافعی کے ہاں تین دن، حماد کے ہاں ایک سال، بعض حضرات کے یہاں ایک ماہ اور دو ماہ کی مدت ہے۔ نیز اوپر امام احمد کے ہاں بھی تین دنوں کی مہلت کا ذکر ہو چکا ہے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ قاضی کی صوابدید پر منحصر ہونا چاہئے جیسا کہ علامہ ابو برکات الدردیر نے الشرح الصغیر میں اور حادی نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے اور اوپر اس کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ صنعانی جو خود شافعی ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں:

"قلت لا دليل على التعيين بل ما يحصل به التضرر."

(سبل السلام. ج١، ص٢٢٥)

میں کہتا ہوں کہ متعین کرنے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ وہ تمام عیوب اسی میں شامل

ہیں جن سے ضرر پیدا ہو۔

کلمہ آخر

مختلف مذاہب کی تفصیلات موجودہ حالات و ماحول اور شریعت اسلامی کی روح کو سامنے رکھنے سے اس طرف ذہن جاتا ہے کہ فقہ مالکی پر اس مسئلہ میں ہندوپاک میں عمل کیا جائے۔ البتہ اس مسئلہ میں کہ عورت پہلے سے شوہر کی تنگدستی سے واقف ہو اس رائے کو اختیار کیا جائے جو شوافع اور حنابلہ کی ہے اور اس کی وجہ سے نکاح فسخ ہوا کرے۔ اس لئے کہ نفقہ عورت کا ایک مستقل حق ہے جو یوماً فیوماً واجب ہوتا ہے۔ اگر ایک بار وہ اس سے اپنی بے وقوفی یا مستقبل کی توقع پر دستبردار ہو جائے تو اس کو مجبور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ آئندہ بھی اس قوامِ حیات سے محروم ہی رہ کر زندگی بسر کرتی رہے۔ اس سلسلے میں علماء کرام کو غور کرنا چاہئے کہ موجودہ معاشرے اور حالات کو دیکھ کر کس قول پر عمل کیا جائے۔

شوہر غائب ہو تو نفقے کے لئے بیوی کیا کرے

اگر مرد عرصہ دراز سے غائب ہو اور بیوی بچوں کے نفقے کا خیال نہیں رکھتا تو اس صورت میں جبکہ مرد کی کوئی جائیداد یا کاروبار بھی نہ ہو کہ اس سے اپنا نفقہ وصول کرے تو عورت کیا کرے تو اس معاملے میں احناف کا نقطہ نظر یہ ہے اگر عدالت نے عورت کا نفقہ مقرر کیا ہے اور مرد غائب ہے عورت کو نفقہ نہیں دیتا اور نہ ہی مرد کا کوئی کاروبار یا جائیداد ایسی ہے جس سے عورت اپنے نفقہ کا انتظام کرسکتی ہو تو عورت کو شرعاً یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ مرد کے نام پر قرض لے کر اپنے نفقے کے اخراجات پورے کرے۔ بشرطیکہ نفقہ عدالت نے مقرر کیا ہو۔

جبکہ امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ عورت کو مرد کے غائب ہونے کے سبب قرض لینے کا مطلق اختیار حاصل ہے، اس کے لئے یہ

ضروری نہیں ہے کہ نفقہ پہلے سے عدالت کا مقرر کردہ ہو لیکن احناف کا نقطہ نظر عام نفسیات انسانی کے مطابق ہے اور عام طور پر اسی کے مطابق ہی عمل ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے "البحر الرائق" میں ذکر کیا ہے:

"ان الرجل اذا غاب وله زوجة واولاد الصغار ولم يترك شيئًا فان القاضي يسمع البينة منها على النكاح ان لم يكن عالمًا به على ما عليه العمل ثم يفرض لها ولأولادها نفقة ثم يأمرها بالاستدانة فاذا جاء رجعت عليه بالمفروض لها ولاولادها واشار بقوله فرض الى ان المودع والمديون لوأنفقا بغير امر القاضي فان المودع ضامن." (البحرالرائق: ج٤، ص٢١٥، بيروت)

"واصل المسئلة ان النفقة لا تصير دينًا الا بقضاء القاضي أو التراضي عندنا، وعند الشافعي رحمه الله تعالٰى تصير دينًا لان وجوبها بالعقد فلا تحتاج الى القضاء أوالرضاء." (المبسوط للسرخسي، ج٥، ص١٨٤، دارالكتب العلمية، بيروت لبنان)

اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"قال في الدر (وتفرض لزوجة الغائب وطفله وابويه) وكذا لو كانت مفروضة ومضت مدة ثم غاب لها أخذ القاضي من ماله المذكور." (ردالمحتار: ج٣، ص١٠٤)

نفقہ ادا نہ کرنے والے شوہر کا حکم

مرد اگر عورت کو نفقہ کی فراہمی کے سلسلے میں غفلت اور کوتاہی کا شکار ہو تو اس

صورت میں شریعت نے عورت کو یہ حق دیا ہے کہ عورت اپنے شوہر کے خلاف عدالت میں شکایت کرے اور قاضی شوہر کو نفقے کی ادائیگی کا حکم دے، اگر اس حکم قاضی کے باوجود وہ نفقہ نہ دے تو پھر قاضی کو یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ شوہر کو ایک مدت معینہ تک قید کرلے، اب مدت معینہ کیا ہوگی؟ تو اس سلسلے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں، بعض فقہاء کرام نے ایک ماہ کی قید لگائی ہے، بعض نے تین اور بعض نے چار ماہ کا لکھا ہے۔

چنانچہ البحر الرائق میں لکھا ہے:

"ولو امتنع من الانفاق عليها ...... وان لم يجد ماله يحبسه حتى ينفق عليها .... الخ"

(البحرالرائق: ج٤، ص٢٠٢، مصر)

اسی طرح علامہ شمس الدین سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مبسوط'' میں لکھا ہے:

"وان كان القاضى لا يعلم من الزوج عسره فسألت المرأة حبسه بالنفقة لم يحبسه القاضى فى اوّل مرة .... ولكن يأمره بان ينفق عليها ويخبره أنه يحبسه ان لم يفعل فان غادت اليه مرتين أو ثلاثا حبسه لظهور ظلمه بالامتناع من ايفاء ما هو مستحق عليه." (مبسوط للسرخسى، ج٥، ص١٨٧، دارالكتب العلميه بيروت للبنان)

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

"وان لم يعلم القاضى انه معسر وسألت المرأة حبسه بالنفقة لا يحبسه القاضى فى اوّل مرة لكن يامره القاضى بالانفاق ويخبره أنه يحبسه ان لم ينفق عليها فان عادت المرأة بعد ذلك مرتين أو ثلاثا حبسه القاضى."

(هندية، ج١، ص٥٥١، داراحياء التراث العربى، بيروت لبنان)

اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے "رد المحتار" میں لکھا ہے:

"ویوضح ما قلناہ ما فی البحر عن الخلاصة والذخیرہ الزوج هو الذی یلی الانفاق الا اذا ظهر عند القاضی مطله، فحینئذٍ یفرض النفقة ویامرہ لیعطیها لتنفق علی نفسها نظراً لها، فان لم یعط حبسه ولا تسقط عنه النفقة۔" (شامیہ، ج۳، ص۵۸۰، ایچ ایم سعید)

اسی طرح معروف اسکالر الدکتور وہبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

"اذا امتنع الزوج عن الانفاق علی زوجة بعد ما فرضه علیٰ نفسه اوبعد فرض القاضی فیه تفصیل عند الحنفیه۔" (الفقه الاسلامی. ج۱۰، ص۷۳۹۸، رشیدیہ کوئٹہ)

زمانہ گذشتہ کے نفقے کا مطالبہ کرنا

زمانہ گذشتہ کے نفقے کا مطالبہ عورت کرسکتی ہے یا نہیں؟

احناف کے ہاں گذشتہ نفقے کا مطالبہ عورت نہیں کرسکتی، سوائے ایک صورت کے کہ میاں بیوی کے درمیان باہمی کوئی قرارداد یا عدالتی ڈگری موجود ہو جس میں زمانہ گذشتہ کے نفقے کی ادائیگی کا لکھا ہوا ہو تو پھر زمانہ گذشتہ کا نفقہ مرد پر واجب ہوگا لیکن شوافع رحمہم اللہ کے نزدیک عورت کو زمانہ گزشتہ کے نفقے کے مطالبے کا حق حاصل ہے، چاہے معاہدہ، قرارداد اور عدالتی ڈگری اس کے پاس ہو یا نہ ہو، دونوں صورتوں میں عورت نفقے کی ادائیگی کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ امام مالک، امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے جو شوافع کا ہے۔ چنانچہ "مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر" میں لکھا ہے:

"ولا تجب علیه نفقة مدة مضت (الا ان تکون قضی بها)

بتقدير القاضى النفقة لها (أوتراضيا) اى اصطلح الزوجان (على مقدارها) بشىءٍ معلوم منهما لكل شهر أو سنة فتجب النفقة المفروضه أو الفريضة لما مضٰى ...... فلا بد من التسليم أو التاكيد بقضاء او تراض وعند الائمة الثلاثه تجب بدونها." (مجمع الانہر. ج۱، ص۴۹۱، بیروت)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے "البحر الرائق" میں لکھا ہے:

"(ولا تجب نفقة ما مضت الا بالقضاء أوالرضاء) لان النفقة صلة وليست بعوض عندنا فلم يستحكم الوجوب فيها الا بالقضاء كالهبة لا توجب الملك فيها الا بمؤكد وهو القبض والصلح بمنزلة القضاء."

(البحر الرائق: ج٤، ص١٨٦، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

نفقہ نہ لینے کا معاہدہ

زوجین کے مابین اس قسم کا معاہدہ یا زوجہ کا یہ اقرار کہ مرد پر نفقہ واجب نہ ہوگا یا وہ عورت نفقہ نہیں لے گی تو اس قسم کا معاہدہ شرعاً درست نہیں، کیونکہ شوہر کے ذمہ اپنے زوجہ کے نفقے کی ادائیگی مقاصد نکاح کی تکمیل کا وسیلہ ہے جو شرعی مصلحت پر مبنی ہے، اس لئے کوئی بھی ایسا معاہدہ جو زوجہ کے حق نفقہ کو متاثر کردے یا حق نفقہ سے بالکل محروم کردے درست نہیں ہے اور اس قسم کے معاہدے مصلحت عام کے منافی ہیں۔

لہٰذا شرعاً ایسے معاہدوں کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی اور اس کو ناقابل عمل تصور کیا جائے گا، ہاں اگر قاضی نے اس پر ماہانہ دس درہم نفقہ واجب کیا ہے اور عورت اس کو بری کردے نفقہ سے تو یہ بری کرنا محض ایک مہینے کے لئے قابل عمل ہوگا، اس کے بعد نفقہ واجب ہوگا۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے "البحر الرائق" میں لکھا ہے:

"المرأة اذا أبرات الزوج عن النفقة بان قالت أنت برئ من نفقتى ابداما كنت امرأتك فان لم يفرض القاضى لها النفقة فالبراء ة باطلة لانها أبرأته قبل الوجوب وان كان فرض لها القاضى النفقة كل شهر عشرة دراهم صح الابراء عن نفقة الشهر الاوّل ولم يصح عن نفقة ما سوىٰ ذلك من الشهور."

(البحرالرائق: ج٤، ص١٨٧ مطبوعہ ایچ ایم سعید کراچی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے۔ (خیر الفتاویٰ، ج۴،ص۱۷۵)

شوہر تنگدست ہوتو کیا کیا جائے

اگر زوج کی یہ حالت ہے کہ وہ زوجہ کا نفقہ برداشت نہیں کرسکتا، ذریعہ معاش نہ ہونے کی وجہ سے اور مستقبل قریب میں بھی ذریعہ معاش ملنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی ہے تو اب کیا کیا جائے؟

تو اس سلسلہ مین احناف رحمہم اللہ کے نزدیک اگر شوہر زوجہ کو نفقہ نہ دے تو ان کے مابین تفریق کرانے سے گریز کیا جائے چاہے شوہر تنگ دست ہی کیوں نہ ہو کیونکہ دورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں صحابہ میں سے بعض فارغ البال تھے اور تنگ دست بھی تھے لیکن اس کی کوئی مثال موجود نہیں کہ شوہر کی تنگدستی یا عدم انفاق کی وجہ سے تفریق کرائی گئی ہو۔ چنانچہ احناف کے نزدیک اگر شوہر باوجود فارغ البال کے نفقہ دینے سے گریز کرے تو حاکم وقت تفریق کے بجائے اسے قید کردے اور اس کے مال موجود کو فروخت کر کے عورت کو نفقہ دلائے لیکن اگر نفقہ کی عدم ادائیگی کا سبب عسرت وتنگدستی ہے تو پھر حاکم وقت کو چاہیے کہ شوہر کو مہلت دے، محض عدم اداء نفقہ پر احناف۔ کے ہاں تفریق نہیں کی جائے گی۔ البتہ ائمہ ثلاثہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ان کے

درمیان تفریق کرادی جائے اگر عورت تفریق کی طالبہ ہو۔

اگر اس طرح کا معاملہ عدالت میں آئے کہ زوج عسرت تنگدستی کے سبب نفقہ ادا نہیں کررہا ہو تو حاکم وقت یہ فیصلہ دے کہ عورت اپنے شوہر کے نام پر نفقہ کی مقدار رقم قرض لے کر اپنے اخراجات پورے کرے اور وہ رقم بعد میں اس کا شوہر ادا کرے لیکن تفریق نہ کرائی جائے۔ چنانچہ "مجمع الانہر" میں لکھا ہے:

"(ولا یفرق) القاضی بین الزوجین (لعجزہ) ای الزوج (عن النفقة) ولا لعدم ایفاء الزوج حال کونه غائبًا حقها ولو کان الزوج موسرا لان العجز من الانفاق لایوجب الفراق خلافا للشافعی رحمه اللّٰه تعالٰی فانه قال: القاضی یفرق بینهما بالعجز عن النفقة ان طلبت الفرقة ...... وتومر الزوجة بالاستدانة ای یقول لها القاضی استدینی علی زوجك ای اشتری الطعام نسیئة علی أن تقتضی الثمن من ماله ما ذکرہ الخصاف."

(مجمع الانہر: ج۱، ص۴۹۰، بیروت)

اسی طرح "فتاویٰ عالمگیریہ" میں لکھا ہے:

"ولا یفرق بعجزہ عن النفقة وتؤمر بالاستدانة علیه کذا فی الکنز." (هندیه: ج۱، ص۵۵۰، بیروت)

اسی طرح علامہ ابن عابدین نے اپنی کتاب "رد المحتار" میں لکھا ہے:

"(ولا یفرق بینهما بعجزہ عنها) ای غائبًا کان أو حاضرًا (بانواعهما) وهی ماکول وملبوس ومسکن (حقها) ای من النفقة (ولوموسرا) وجوزہ الشافعی رحمه الله تعالٰی باعسار الزوج وبتضررها بغیبة ولو قضٰی به حنفی لم

ينفذ نعم لوامر شافعيًا."

(الردالمحتار ج۳، ص۵۹۰ مطبوعہ ایچ،ایم سعید کراچی)

اسی طرح الدکتور وہبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

"ولا يفرق عند الحنفيه بين الزوجين بسبب الاعسار لان النفقة تصير دينا بفرض القاضی."

(الفقه الاسلامی. ج۱۰، ص۷۳۹۹، رشیدیہ کوئٹہ)

گذشتہ زمانے کے مقدارِ نفقہ میں اختلاف

اگر عورت و مرد میں باہم گذشتہ زمانے کے مقدار میں اختلاف پیدا ہوجائے جس میں شوہر نے نفقہ نہیں دیا مثلاً عورت کہتی ہے کہ دو مہینے سے نفقہ نہیں دیا اور شوہر کہتا ہے کہ ڈیڑھ مہینے سے، تو عورت سے ثبوت طلب کیا جائے گا اور اس ثبوت پر فیصلہ کیا جائے گا اگر وہ ثبوت پیش نہ کرسکی تو شوہر کی بات مانی جائے گی لیکن اگر عورت نفقہ دینے کی بالکل منکر ہو اور شوہر دینے کا مدعی ہو تو اس صورت میں عورت سے قسم اُٹھوا کر اس کی بات مان لی جائے گی اور اس پر فیصلہ کردیا جائے گا۔ چنانچہ "فتاویٰ عالمگیری" میں لکھا ہے:

"واذا اختلفا فيما وقع الصلح عليه والحكم به من النفقة فى الجنس أو القدر فالقول قول الزوج والبينة بينة المرأة. واذا ادعى الزوج الانفاق وانكرت المرأة فالقول قولها مع اليمين كذا فى المحيط."

(هندية، ج۱، ص۵۵۲، بيروت)

نفقہ کے لئے شوہر سے کفیل کا مطالبہ

اگر عورت کو شوہر کے روپوش یا مفرور ہونے کا ڈر ہو چاہے وہ کسی بھی سبب اور

وجہ سے ہو تو عورت کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے نفقہ کے لئے شوہر سے ضامن طلب کرے چاہے ایک ماہ کے لئے وہ ضامن طلب کرے یا زیادہ وقت کے لئے ضامن طلب کرے جیسے اس وقت مصلحت ہو اس مصلحت کو دیکھ کر وقت کی تعیین کرے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"امرأة قالت ان زوجي يريد ان يغيب عني و طلبت كفيلا بالنفقة قال ابوحنيفة رحمه الله ليس لها ذلك وقال ابو يوسف رحمه الله تعالىٰ اخذ كفيلاً بنفقة شهر واحد استحسانا وعليه الفتوىٰ." (هنديه، ج۱، ص۵۵۳، بيروت)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"ولوطلبت كفيلاً بها خوفًا من غيبته لا يجبره القاضي على اعطاء الكفيل عند ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ واستحسن ابويوسف رحمه الله تعالىٰ أخذ كفيل بنفقة شهر .... وفى الولوالجية الفتوىٰ على قول ابى يوسف فى اخذ الكفيل بنفقة شهر."

(البحر الرائق: ج۴، ص۱۷۴، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

بیمار والدین کی دیکھ بھال کیلئے جانے والی بیوی کا نفقہ

اگر عورت کے والدین دیکھ بھال کے محتاج ہوں یا مریض ہوں اور ان کی دیکھ بھال کے لئے کوئی نہیں ہے تو اس صورت میں عورت ان کے پاس جاسکتی ہے، چاہے شوہر منع کرے، اس میں یہ قید بھی نہیں ہے کہ والدین مسلمان ہوں، اگر والدین کافر ہوں اور دیکھ بھال کے محتاج ہوں تب بھی عورت جاسکتی ہے لیکن آیا اس صورت میں نفقہ شوہر کے ذمہ ہوگا یا نہیں تو علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس صورت میں

ظاہراً تو یہی ہے کہ نفقہ نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن مناسب اور بہتر یہی ہے کہ نفقہ دیا جائے۔

چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"فعليها اى بقدر احتياجه اليها وهذا اذا لم يكن له من يقوم عليه قوله وان ابى الزوج هل لها النفقة الظاهر لا." (شامية: ج٢، ص٦٦٥، بيروت)

مرد کے بھیجے ہوئے مال میں اختلاف

اگر مرد کچھ مال بیوی کے پاس بھیجے، اب دونوں کے مابین اختلاف ہوجائے، مرد کہتا ہے کہ وہ مہر تھا اور عورت کہتی ہے کہ وہ نفقہ تھا تو اس معاملہ میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ مرد کے قول کا اعتبار ہوگا، سوائے اس کے کہ عورت اپنی بات پر دلیل پیش کرے یا گواہ پیش کردے۔

چنانچہ علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"ولو اعطاها الزوج مالا فاختلفا فقال الزوج وهو من المهر وقالت هو من النفقة فالقول قول الزوج الا ان تقيم المرأة البينة." (بدائع الصنائع: ج٤، ص٢٩٠، ایچ ایم سعید)

اسی طرح عالمگیری میں لکھا ہے:

"واذا فرض النفقة للمرأة على الزوج ولها على الزوج بقية المهر فاعطاها شيئًا ثم اختلفا فقال الزوج هو من المهر وقالت المرأة لابل هو من النفقة فالقول قول الزوج." (هندية: ج١، ص٥٥٢)

تیسری فصل

شرائط وجوب وعدم وجوب نفقہ

مرد پر حسب ذیل صورتوں میں اپنی زوجہ کا نفقہ واجب ہے:

① عورت نے خود کو مرد کے اختیار میں دے دیا ہو۔

② نکاح صحیح ہو۔

③ زوجہ مشقت جماع کو برداشت کر سکتی ہو خواہ شوہر نابالغ ہو یا صحبت پر قادر نہ ہو۔

④ زوجہ والدین کے گھر مقیم ہو، شوہر نے اسے اپنے گھر آنے کی دعوت نہ دی ہو اور بغیر وجہ جائز اور معقول کے گھر بلانے سے منع کرتا ہو۔

⑤ عورت بر بنائے عدم ادائیگی مہر معجّل یا کسی دیگر جائز سبب کی بناء پر شوہر کے گھر آنے سے انکار کر رہی ہو خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہیں۔

① مرد پر عورت کے نفقے کے واجب ہونے کا ایک سبب تو نکاح ہے لیکن نکاح صحیح ہونا چاہئے، نکاح فاسد ہونے کی صورت میں عورت نفقے کی مستحق نہیں ہوگی۔ چنانچہ اس مسئلے کو احکام الشریعہ فی الاحوال الشخصیہ میں لکھا ہے:

"والسبب فی وجوب النفقة الزوجية هو العقد الصحيح بشرط وجود الاحتباس أو الاستعداد له والعقد الفاسد لایوجب نفقة قط." (احکام الشریعة: ص۲۳۳، مطبوعه مصر)

اسی طرح علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"(قوله بنكاح صحيح) فلا نفقة على مسلم فی نكاح فاسد لإنعدام سبب الوجوب وهو حق الحبس الثابت

للزوج عليها بالنكاح.“ (ردالمحتار: ج۳، ص۵۷۲، ایچ ایم سعید)

(۲) عورت کے نفقے کے لئے اصلاً اس کی عمر کا اعتبار نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ وہ جماع کی مشقت برداشت کرسکتی ہے یا نہیں، اگر برداشت کرسکتی ہے تو نفقہ واجب ہوگا، خواہ مرد نابالغ ہو یا اس سے صحبت پر قادر ہی نہ ہو۔

چنانچہ احمد بن محمد البغدادی القدوری نے اپنی کتاب مختصر القدوری میں لکھا ہے:

”وان سلمت اليه نفسها وان كان الزوج صغيرا لا يقدر على الوطئ والمرأة كبيرة فلها النفقة من ماله.“

(مختصر القدوری: ص۱۶۳، میر محمد کتب خانہ آرام باغ)

(۳) عورت اپنے آپ کو مرد کے اختیار میں دے دے۔

چنانچہ امام قدوری رحمۃ اللہ علیہ نے مختصر القدوری میں لکھا ہے:

”النفقة واجبة للزوجة على زوجها ...... اذا سلمت نفسها.“ (مختصر القدوری: ص۱۶۳)

(۴) شوہر بلا کسی وجہ معقول کے زوجہ کو اپنے گھر نہیں بلاتا اور زوجہ والدین کے مکان پر سکونت اختیار کی ہوئی ہے تو آیا شوہر پر نفقہ لازم ہوگا یا نہیں؟ تو فقہاء کرام رحمہم اللہ لکھتے ہیں کہ اس سے زوجہ کا حق نفقہ متاثر نہیں ہوگا۔

چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

”وكذلك اذا لم ينقلها وهى بحيث لا تمنع نفسها وطلبت هى النفقة ولم يطالبها هو بالنقلة فلها النفقة.“

(البحرالرائق: ج۴، ص۱۷۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۵) اگر شوہر نے مہر معجّل ادا نہ کیا ہو یا مہر معجّل تو نہیں تھا لیکن مہر کی ادائیگی کا جو میعاد مقرر تھا اس میعاد کے مکمل ہونے پر شوہر نے مہر ادا نہیں کیا اور مہر کی عدم ادائیگی کے سبب عورت مرد کے ساتھ رہنے سے انکار کررہی ہے تو عورت کا انکار جائز وجہ پر محمول

کیا جائے گا اور اس انکار کی وجہ سے زوجہ کا حق نفقہ متاثر نہیں ہوگا خواہ مرد نے عورت سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو۔ چنانچہ علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ البحر الرائق میں لکھتے ہیں:

"(ولو مانعة نفسها للمهر) اى يجب عليه النفقة ولو كانت المرأة مانعة نفسها بحق كالمنع لقبض مهرها والمراد منه المعجل اما نصًّا او عرفًا."

(البحر الرائق: ج٤، ص١٧٩، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

عدم وجوب نفقہ کی صورتیں

مندرجہ بالا تو وہ صورتیں تھیں جن میں مرد پر عورت کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔ اب ان صورتوں کا تذکرہ ہوگا جن میں مرد پر عورت کا نفقہ واجب نہیں ہوتا۔

(۱) زوجہ اتنی کم عمر ہو کہ جماع کی مشقت کو برداشت نہ کر سکے لیکن اس سے وہ صورتیں خارج ہوں گی کہ عورت پاگل ہو جائے یا اتنی بوڑھی ہو جائے کہ جماع کے قابل نہ رہے تو اس صورت میں نفقہ کا وجوب قائم رہے گا۔ چنانچہ فتاوی قاضی خان میں لکھا ہے:

"فان كانت لا تجامع لا نفقة لها."

(قاضی خان: ج١، ص٤٢٤، مطبوعه بيروت)

اسی طرح دوسری جگہ لکھا ہے:

"فان كانا صغيرين لا يطيقان الجماع لا نفقة لها."

(قاضی خان: ج١، ص٤٢٥، مطبوعه بيروت)

اسی طرح صاحب فتح القدیر نے لکھا ہے:

"(وان كانت صغيرة لا يستمتع بها فلا نفقة لها) لان امتناع الاستمتاع لمعنى فيها والاحتباس الموجب ما

يكون وسيلة الى مقصود مستحق بالنكاح ولم يوجد بخلاف المريضة." (فتح القدير: ج٤، ص١٩٦، مكتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"لانفقة للصغيره اذا كانت لاتطيق الجماع لأن امتناع الاستمتاع لمعنًى فيها والاحتباس الموجب هوالذى يكون وسيلة الى المقصود المستحق، بالنكاح ولم يوجد." (البحر الرائق: ج٤، ص١٨٠ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ شامی نے لکھا ہے:

"لانفقة لاحد عشر .... وصغيرة لاتوطأ."

(شامیہ ج٣، ص٥٧٦، ایچ ایم سعید)

دوسری صورت جس میں عورت کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔

② عورت اس قدر بیمار ہے کہ عقد نکاح کے بعد رخصت ہوکر مرد کے گھر نہیں آسکتی ہے تو نفقہ کا وجوب نہیں ہوگا لیکن اس کے برعکس صورت ہو کہ وہ مرد کے گھر پر ہو اور شدید بیمار ہو تو اس صورت میں نفقہ واجب ہوگا اسی طرح زفاف کے بعد اگر عورت بیمار ہوئی تب بھی نفقہ کا وجوب قائم رہے گا۔ چنانچہ الاحکام الشرعیہ فی الاحوال الشخصیہ میں ذکر کیا ہے:

"المريضة التى لم تزف الٰى زوجها ولم يمكنها الانتقال اصلاً لا نفقة لها." (الاحكام الشريعه:ص٢٣٤، مطبوعہ مصر)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے بحر الرائق میں لکھا ہے:

"فلو كانت بحيث لا يمكنها الانتقال اصلاً فلا نفقة لها لعدم التلسيم تقديراً." (البحر الرائق، ج٤، ص١٨٢ مطبوعہ رشیدیہ)

اسی طرح علامہ شامی نے لکھا ہے:

"بخلاف ما اذا لم یوجد تسلیم اصلاً ومرضت بحیث لا یمکنها الانتقال فلا نفقة لها لعدم التسلیم اصلالا حقیقة ولا حکمًا." (شامیة: ج۳، ص۵۷۵، ایچ ایم سعید)

اسی طرح زفاف کے بعد بیمار ہوئی تو نفقہ کے وجوب کے بارے میں لکھا ہے:

"اذا مرضت المرأة مرضًا یمنع من مباشرتها بعد الزفاف والنقلة الی منزل زوجها أو قبلها ثم انتقلت الیه وهی مریضة أولم تنتقل ولم تمنع نفسها بغیر حق فلها النفقة علیه." (الاحکام الشریعة، ص۲۳٤، ۲۳٥، مصر)

اس مسئلے کو فتاویٰ قاضی خان میں ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وان زفت المرأة الی زوجها وهی صحیحة فمرضت فی بیت الزوج مرضًا لا یحتمل الجماع ان کان بنی بها کان لها النفقة لان المرأة لا تسلم عن المرض فی عمرها وان کان لم یدخل بها فمرضت مرضًا لا یحتمل الجماع لانفقة لها." (قاضی خان: ج۱، ص٤۲٤، بیروت)

تیسری صورت جس میں مرد پر عورت کا نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ یہ کہ عورت بلا اجازت شوہر کے سفر پر جائے، چاہے وہ سفر حج ہی کیوں نہ ہو، البتہ فریضہ حج کے واجب ہونے کی صورت میں بلا عذر شرعی شوہر کو منع کرنے کا حق نہیں۔ چنانچہ علامہ مرغینانی اس مسئلے کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وکذا إذا حجت مع محرم لان فوت الاحتباس منها وعن ابی یوسف ان لها النفقة لأن اقامة الفرض عذر ولکن تجب علیه نفقة الحضر دون السفر لانها هی المستحقة علیه ولو سافر معها الزوج تجب النفقة

بالاتفاق." (ھدایہ ج۲، ص۴۱۵، ایچ ایم سعید)

اسی کے ذیل میں علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

"ای لانفقة لها اذا حجت مع محرم بخلاف ما إذا حجت مع الزوج فان لها النفقة اتفاقًا."

(فتح القدیر: ج٤، ص١٩٨، مکتبہ رشیدیہ)

اسی طرح عالمگیری میں ہے:

"وان حجت مع محرم لها دون الزوج فلانفقة لها فی قولهم جمیعًا وان کانت انتقلت الی منزل الزوج فقد قال ابو یوسف رحمه اللّٰه تعالٰی لها النفقة وقال محمد رحمه اللّٰه تعالٰی لا نفقة لها کذا فی البدائع وهو الاظهر کذا فی السراج الوهاج واما اذا حج الزوج معها فلها النفقة اجماعًا وتجب علیه نفقة الحضر دون السفر."

(هندیه: ج١، ص٥٤٦، بیروت)

۔ چوتھی صورت جس میں مرد پر عورت کا نفقہ واجب نہیں۔ زوجہ بلا اجازت شوہر کے گھر سے باہر رہ کر ملازمت یا حصولِ معاش کے لئے کوئی کام کرے یا بلا کسی عذر کے گھر سے باہر نکل جائے حالانکہ شوہر اسے اس کی اجازت نہیں دیتا ہو اس صورت میں مرد پر نفقہ واجب نہیں ہوگا اور اس فعل سے عورت کے نفقہ کا حق متاثر ہوگا کیونکہ بنیادی طور پر نفقہ کا لزوم احتباس کی بناء پر ہوتا ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا اور پھر یہاں شوہر کی نافرمانی بھی ہے جس کی وجہ سے حق نفقہ متاثر ہوتا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن محمد البغدادی القدوری اپنی کتاب مختصر القدوری میں لکھتے ہیں:

"وان نشزت فلا نفقة لها حتی تعود الی منزله."

محشی رحمہ اللہ "حتی تعود الی منزله" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"لان فوت الاحتباس منها واذا اعادت جاز الاحتباس فتجب النفقة بخلاف ما اذا امتنعت من التمكن فی بيت الزوج لان الاحتباس قائم والزوج يقدر علی الوطئی كرها." (مختصر القدوری: ص۱۸۹، مکتبہ خیر کثیر آرام باغ)

اسی طرح عالمگیری میں لکھا ہے:

"وان نشزت فلا نفقة لها حتى تعود الى منزله والناشزة هی الخارجة عن منزل زوجها المانعة نفسها منه."

(هندية: ج۱، ص٥٤٥، مطبوعه بيروت)

اسی طرح علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"(قوله وتسقط به) أی بالنشوز النفقة المفروضة."

(شامية: ج۳، ص٥٧٦، مطبوعہ ایچ ایم سعید)

شوہر پر نفقہ واجب نہ ہونے کی پانچویں صورت یہ ہے کہ عورت قید میں ہے اور قید بھی ایسی ہے کہ شوہر کے لئے اس تک رسائی ممکن نہیں تو اس صورت میں بھی شوہر پر زوجہ کا نفقہ واجب نہیں ہوگا لیکن اس کے برعکس صورت ہو یعنی مرد قید میں ہو تو اس صورت میں مرد کے قید ہونے سے زوجہ کا حق نفقہ متاثر نہیں ہوگا۔

چنانچہ امام قدوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"واذا حبست المرأة .... فلا نفقة لها"

اسی کے ذیل میں محشی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اذا حبست المرأة فی دين: يعنی المرأة التی عليها دين للغير اذا حبست بامر القاضی بدين تقدر علی ايفائه اولاً قبل النقلة اليه او بعدها تسقط نفقتها لأن المعتبر فی سقوطها هو فوات الاحتباس لامن جهة الزوج كذا فی

البحر قال فی جوهرة النيرة: اذا حبست بدين للزوج عليها فلها النفقة۔" (مختصر القدوری: ص۱۸۹، خیر کثیر آرام باغ)

اسی طرح البحر الرائق میں اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"(قوله ومحبوسة بدين ...... الخ) ای لا تجب النفقة لهولاء لأن فوات الاحتباس ليس منه اما فی المحبوسة بدين فلان فوات الاحتباس منها بالمماطلة .... الخ۔" (البحرالرائق: ج٤، ص١٨١، رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں لکھا ہے:

"اذا حبست المراة فی دين فلا نفقة لها قال الكرخی رحمه الله تعالٰی اذا حبست فی دين لا تقدر علی ادائه فلها النفقة وان كانت تقدر فلا نفقة لها والفتوی علی أنه لا نفقة لها فی الوجهين ولو غصبها غاصب وهرب بها أو حبست ظلمًا ذكر الخصاف انها لاتستحق ولو حبس الزوج وهو يقدر علی اداء الدين أولم يقدر او هرب فلها النفقة كذا فی غايت السروجی۔"

(هنديه: ج١، ص٥٤٥، مطبوعه بيروت)

اسی طرح "الاحکام الشریعہ" میں بھی اس پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ مختصراً ملاحظہ فرمائیں:

"يظهر من عبارات الكتب فی المذهب الحنفی انها لانفقة لها بالاتفاق اذا كان الحبس قبل الزفاف اما اذا كان الحبس بعد الزفاف ...... فلا نفقة لها ايضًا بالاتفاق ...... اما اذا كان الحبس بعد ولا يمكن ففی هذه الحال

اختلف الروايات فظاهر الرواية أنهٗ لا نفقة لها:"

(الاحکام الشریعۃ: ص۲۳۸، بیروت)

چھٹی صورت جس میں مرد پر عورت کا نفقہ واجب نہیں ہوگا: عورت مرتد ہوجائے اور اسلام چھوڑ دے تو اس سے زوجہ کا حق نفقہ متاثر ہوگا۔ چونکہ ارتداد کے سبب نکاح ہی فسخ ہوجاتا ہے تو نفقہ کا حق بھی ساقط ہوگا اس لئے کہ اصل یہ ہے کہ زوجین میں سے کسی ایک کا بھی مرتد ہونا ملک نکاح کے منافی ہے اور اسی ارتداد سے نکاح فسخ ہوجاتا ہے۔

اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے "الدکتور وھبۃ الزحیلی" اپنی کتاب "الفقہ الاسلامی" میں لکھتے ہیں:

"اذا ارتدت المرأة سقطت نفقتها لخروجها عن الاسلام وامتناع الاستمتاع لسبب الردة."

(الفقۃ الاسلامی: ج۱۰، ص۷۳۶۶، مکتبہ الرشید)

اسی طرح اس مسئلے کو ذکر کرتے ہوئے "شامی" میں لکھتے ہیں:

"لانفقة لاحد عشر مرتدة."

(الدر المختار: ج۳، ص۵۷۵، ایچ، ایم، سعید)

اسی طرح "فتاویٰ قاضی خان" میں لکھا ہے:

"اذا ارتدت بعد الدخول والعياذ بالله وبانت من زوجها وجبت عليها العدة ولايكون لها النفقة."

(قاضی خان، ج۱، ص۴۲۸، بیروت)

ساتویں صورت جس میں مرد پر عورت کا نفقہ واجب نہیں: عورت کے نفقہ کا وجوب نکاح صحیح کی صورت میں ہے، اگر نکاح صحیح نہ ہو بلکہ نکاح فاسد ہو تو اس صورت میں عورت کا حق نفقہ متاثر ہوگا، ہاں اگر مرد عورت میں سے کسی کو بھی فساد کا علم نہ ہو تو اس وقت تک تو نفقہ لازم رہے گا لیکن جب فساد کا علم ہوجائے گا تو طرفین پر تفریق

اور جدائی لازم ہوگی اور اس صورت میں پھر مرد پر عورت کا نفقہ لازم نہیں ہوگا۔

اس مسئلے کو علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح ذکر کیا ہے:

"(بنکاح صحیح) فلا نفقة علی مسلم فی نکاح فاسد لانعدام سبب الوجوب وهو الحق الحبس الثابت للزوج علیها بالنکاح وکذافی عدته."

(ردالمحتار، ج٣، ص٥٧٢، ایچ ایم سعید)

اسی طرح "الاحکام الشرعیہ فی الاحوال الشخصیہ" میں ہے:

"والعقد الفاسد لایوجب نفقة قط."

(احکام الشریعة ص٢٣٣، بیروت)

اسی طرح "الفقہ الاسلامی" میں لکھا ہے:

"ان الحنفیة قالوا لا نفقة لاحدی عشرة امرأة وهی مرتدة ومقبلة ابن الزوج ومعتدة موت، ومنکوحة بنکاح فاسد." (الفقه الاسلامی وأدلته، ج١٠، ص٧٣٦٧، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ شمس الدین سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے "مبسوط" میں لکھا ہے:

"ولا نفقة فی النکاح الفاسد."

(مبسوط للسرخسی، ج٥، ١٩٣ ص١٩٣، دارالکتب العلمیه بیروت لبنان)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں:

"واراد بالزوجة فی قوله تجب للزوجة الزوجة فی نفس الامر بنکاح صحیح لانه لا نفقة للزوجة بنکاح فاسد لاقبل التفریق ولا بعده." (البحرالرائق: ج٤، ص١٧٨، مکتبہ رشیدیہ)

آٹھویں اور نویں صورت جس میں مرد پر عورت کا نفقہ واجب نہیں۔ عورت بلا کسی وجہ کے مرد کے ساتھ رہنے سے انکار کررہی ہو کہ میں اس کے ساتھ نہیں رہوں

گی الا یہ کہ مہر معجّل کا مطالبہ کر رہی ہو یا مہر مؤجل ہو لیکن اس کے ساتھ ادائیگی کے لئے جو وقت مقرر کیا ہے وہ وقت پورا ہو چکا ہو یا مرد و عورت کے درمیان معاہدہ ہوا تھا کہ مرد اگر عورت کو شہر سے باہر لے جانا چاہے تو لے جا سکتا ہے۔ اب مرد اسے باہر لے جانا چاہتا ہے اور عورت جانے سے انکار کر رہی ہے تو اس صورت میں بھی نفقہ واجب نہیں ہوگا۔ چنانچہ صاحب قدوری رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"فان امتنعت من تسليم نفسها حتى يعطيها مهرها فلها النفقة وان نشزت فلا نفقة لها"

(مختصر القدوری ص: ۱۶۳ میر محمد کتب خانہ)

اسی طرح علامہ شمس الدین سرخسی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"(قال) واذا تغيبت المرأة عن زوجها أوابت ان تتحول معه الى منزله او الى حيث يريد من البلدان وقد اوفاها مهرها فلا نفقة لها لانها ناشزة ولا نفقة للناشزة. الخ"

(مبسوط للسرخسی، ج۵، ص۱۸۶، بیروت)

دسویں صورت جس میں عورت کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے۔ یہ کہ تفریق کا سبب عورت کی معصیت ہے اس معصیت کی وجہ سے تفریق ہوئی ہو تو پھر اس صورت میں مرد پر عورت کا نفقہ واجب نہیں اور اس معصیت کی وجہ سے عورت کا حق نفقہ متاثر ہوتا ہے۔ اسی مسئلے کو فقہاء نے ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وكل فرقة جاءت من قبل المرأة بمعصية مثل الردة وتقبيل ابن زوج فلا نفقة لها وان طلقها ثلاثًا ثم ارتدت والعياذ بالله سقطت نفقتها." (شرح البداية، ج۲، ص۴۲۴)

گیارہویں صورت جس میں مرد پر عورت کا نفقہ واجب نہیں۔ اگر زوجہ کو کوئی غصب کر کے لے جائے تو اس زوجہ مغصوبہ کا نفقہ غصب ہونے کے سبب ساقط

ہوجاتا ہے اور مرد پر عورت کا نفقہ واجب نہیں رہتا کیونکہ شوہر کا حق استمتاع معطل ہوجاتا ہے اور شوہر اس سے فائدہ نہیں حاصل کرسکتا۔ چنانچہ امام احمد بن محمد القدوری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''مختصر القدوری'' میں لکھتے ہیں:

''واذا حبست المرأة فی دین أو غصبها رجل کرها فذهب بها أو حجت مع محرم فلا نفقة لها.''

(المختصر القدوری، ص۱۸۹، خیر کثیر آرام باغ)

اسی طرح الدکتور وهبة الزحیلی اپنی کتاب ''الفقه الاسلامی وأدلته'' میں لکھتے ہیں:

''والخلاصة أن الحنفیة قالوا: لانفقة لاحدی عشرة امرأة ...... ومغصوبة کرها وهی من اخذها رجل وذهب بها ...... لفوات الاحتباس.''

(الفقة الاسلامی وأدلته، ج۱۰، ص۷۳۶۷، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

''(قوله ومغصوبة) أی من أخذها رجل وذهب بها وهذا ظاهر الروایة وعن ابی یوسف رحمه الله تعالٰی لها النفقة والفتوی علی الاوّل، لان فوات الاحتباس لیس منه لیجعل باقیا تقدیرًا، هدایة، وقید بقوله کرها، لانه لوذهب بها علی صورة الغصب لکن برضاها فلاخلاف فیها اذ لاشك فی انها ناشزة.'' (ردالمحتار، ج۳، ص۵۷۹، ایچ ایم سعید)

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

''ولو غصبها غاصب وهرب بها أو حبست ظلمًا ذکر الخصاف انها لا تستحق قال الصدر الشهید حسام

الدين وعليها الفتوىٰ كذا فى الغياثية.“

(هندية، ج١ ص٥٤٥، مطبوعه بيروت)

بارہویں صورت جس میں مرد پر عورت کا حق نفقہ واجب نہیں۔ زمانہ عدت میں دو صورتیں ہوسکتی ہیں یا عورت بوجہ وفات عدت میں ہے اور یا بوجہ طلاق اگر بوجہ وفات عدت میں ہے تو اس صورت میں اس کا نفقہ واجب نہیں رہتا۔ ہاں! اگر بوجہ طلاق عدت میں ہے تو اس میں دو صورتیں ہوں گی، طلاق یا رجعی ہو یا بائن احناف کے نزدیک ان دونوں صورتوں میں نفقہ واجب ہوگا۔ چنانچہ عالمگیری میں لکھا ہے:

”لانفقة للمتوفى عنها زوجها سواء كانت حاملا أو حائلاً الا اذا كانت ام ولد.“ (هندية: ج١، ص٥٥٨، بيروت)

مطلقہ عورتوں کے نفقہ کا بیان

اس معاملے میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ مطلقہ کو اگر رجعی طلاق دی گئی ہو تو شوہر پر اس کی سکونت اور نفقہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اسی طرح اس امر پر بھی تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اگر عورت حاملہ ہو تو خواہ اسے رجعی طلاق دی گئی ہو یا قطعی طور پر الگ کردینے والی طلاق دی گئی ہو۔ بہرحال اس کے وضع حمل تک اس کے نفقہ اور سکونت کی ذمہ داری شوہر پر عائد ہوتی ہے، اس کے بعد اختلاف اس امر میں ہے کہ آیا غیر حاملہ مطلقہ مبتوتہ جسے قطعی طور پر الگ کردینے والی طلاق دی گئی ہو سکونت اور نفقہ دونوں کی حق دار ہے یا صرف سکونت کا حق رکھتی ہے؟ یا دونوں میں سے کسی کی بھی حق دار نہیں ہے؟ اس آخری مسئلہ میں ایک گروہ تو کہتا ہے کہ سکونت اور نفقہ دونوں کی حق دار ہے۔ یہ رائے حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت علی بن حسین (امام زین العابدین) قاضی شریح اور ابراہیم نخعی کی ہے اور اسی رائے کو حنفیہ نے اختیار کیا ہے اور امام سفیان ثوری اور حسن بن صالح کا بھی یہی مذہب ہے اور اس مذہب کی

تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ جس میں حضرت جابر بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس عورت کو تین طلاق دی گئی ہوں اس کے لئے زمانہ عدت میں نفقہ اور سکونت دونوں کا حق حاصل ہے اور ان کی رائے کی مزید تائید ان روایات سے ہوتی ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر رد کر دیا تھا کہ ہم ایک عورت کے قول پر اپنے رب کی کتاب اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ترک نہیں کر سکتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے علم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت لازم ہوگی کہ ایسی عورت کے لئے سکونت اور نفقہ ہے بلکہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک روایت میں تو یہ تصریح ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو رد کرتے ہوئے فرمایا:

"سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لھا السکنٰی والنفقۃ."

(شرح معانی الاثار للطحاوی: ج۲، ص۴۴، ایچ ایم سعید)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ایسی عورت کے لئے سکونت اور نفقہ دونوں کا حق ہے۔ امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے پر مفصل بحث کرتے ہوئے اس مسلک کے حق میں پہلی دلیل یہ دی ہے کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿فطلقوھن لعدتھن﴾ (القرآن)

ترجمہ: "ان کو ان کی عدت کے لئے طلاق دو۔"

اس فرمانِ الٰہی کا اطلاق اس شخص پر بھی ہوتا ہے جس نے دو طلاق دے کر رجوع کر لی ہو اور اب اسے صرف ایک طلاق کا حق حاصل ہو۔ اسی طرح امام جصاص رحمہ اللہ نے اس مسلک کے حق میں جو دوسری دلیل دی ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے طلاق دینے کا جب یہ طریقہ بتایا کہ آدمی یا تو اس طہر میں طلاق دے جس میں مباشرت نہیں کی ہو یا ایسی حالت میں طلاق دے جبکہ عورت کا حمل ظاہر ہو چکا ہو تو اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی، دوسری اور آخری طلاق کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ان کو اسی جگہ رکھو جہاں تم رہتے ہو ہر قسم کی طلاق کے متعلق مانا جائے گا۔

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے تیسری دلیل یہ ذکر کی ہے کہ حاملہ مطلقہ خواہ رجعیہ ہو یا مبتوتہ اس کی سکونت اور اس کا نفقہ شوہر پر واجب ہے اور غیر حاملہ رجعیہ کے لئے بھی یہ دونوں حقوق واجب ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سکونت اور نفقہ کا وجوب دراصل حمل کی بناء پر نہیں ہے بلکہ اس بناء پر ہے کہ یہ دونوں قسم کی عورتیں شرعاً شوہر کے گھر میں رہنے پر مجبور ہیں۔ اب اگر یہی حکم مبتوتہ غیر حاملہ کے بارے میں بھی ہو تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کے نفقہ اور اس کی سکونت کا شوہر ذمہ دار نہ ہو۔

دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ مطلقہ مبتوتہ کے لئے سکونت کا حق ہے مگر نفقہ کا حق نہیں ہے یہ مسلک سعید بن المسیب، سلمان بن یسار، عطاء، شعبی، اوزاعی اور ابوعبیدہ رحمہم اللہ کا ہے۔ امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔ تیسرا گروہ کہتا ہے کہ مطلقہ مبتوتہ کے لئے نہ تو سکونت ہے اور نہ نفقہ ہے یہ مسلک حسن بصری، حماد، ابن ابی لیلیٰ، عمرو بن دینار، طاؤس، اسحٰق بن راہویہ اور ابوثور کا ہے ابن جریر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی یہی مسلک نقل کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ بعض لوگوں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی یہی بیان کیا ہے کہ غیر حاملہ بائنہ کے لئے نہ نفقہ واجب ہے اور نہ سکونت اس مسلک کا استدلال ایک تو قرآن مجید کی اس آیت سے ہے:

﴿لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک أمرًا.﴾

(سورۃ الطلاق. آیت نمبر۱)

تم نہیں جانتے شاید اس کے بعد اللہ موافقت کی کوئی صورت پیدا کر دے۔ اس سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ بات مطلقہ رجعیہ کے حق میں تو درست ہو سکتی ہے لیکن مبتوتہ کے حق میں درست نہیں ہو سکتی اس لئے مطلقہ کو گھر میں رہنے کا حکم بھی رجعیہ کے ساتھ خاص ہے ان کا دوسرا استدلال حضرت فاطمہ بنت قیس والی حدیث ہے، جسے کتب حدیث میں بکثرت صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔

فاطمہ بنت قیس مہاجرات میں سے تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے موقع پر اصحاب شوریٰ کا اجتماع ان ہی کے گھر پر ہوا تھا پہلے ابو عمرو بن حفص بن المغیرہ المخزومی کے نکاح میں تھی تو انہوں نے تین طلاقیں دے کر الگ کر دیا اور بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کیا ان کا قصہ کچھ یوں ہے کہ ان کے شوہر نے ان کو پہلے دو طلاقیں دی تھیں پھر جب ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ یمن بھیجا گیا تو وہاں سے تیسری طلاق بھی ان کو بھیج دی۔ بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو یہ پیغام بھیجا تھا کہ عدت کے زمانے میں ان کو گھر میں رکھیں اور ان کا خرچ ادا کریں اور بعض روایات میں ہے کہ انہوں نے خود نفقہ اور سکونت کے حق کا مطالبہ کیا تھا۔ بہرحال جو بھی صورت ہو شوہر کے رشتہ داروں نے ان کا حق ماننے سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ دعویٰ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ تمہارے لئے نفقہ ہے اور نہ سکونت۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا:

"انما النفقة والسكنى لمن كانت عليه الرجعة."

(الحدیث) (شرح معانی الآثار للطحاوی: ج۲، ص۴۵، ایچ ایم سعید)

عورت کا نفقہ اور سکونت تو اس صورت میں شوہر پر واجب ہے جبکہ شوہر کو اس پر رجوع کا حق ہو۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پہلے ام شریک کے

گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا اور بعد میں فرمایا کہ تم ابن ام مکتوم کے ہاں رہو۔ لیکن اس حدیث کو جن لوگوں نے قبول نہیں کیا ان کے دلائل یہ ہیں کہ اوّلاً تو ان کو شوہر کے رشتہ داروں کا گھر چھوڑنے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ وہ بہت تیز زبان تھیں اور شوہر کے رشتہ داران سے تنگ تھے۔ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس خاتون نے اپنی حدیث بیان کر کے لوگوں کو فتنے میں ڈال دیا۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ زبان دراز تھی، اس لئے اسے ابن ام مکتوم کے ہاں رکھا گیا۔ دوسری روایت میں سعید رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر کے رشتہ داروں سے زبان درازی کی تھی، اس لئے اسے ابن ام مکتوم کے گھر بھیج دیا۔

(ابوداؤد شریف، ج ا، ص ۳۱۳، آرام باغ، کراچی)

سلمان بن ابی یسار کہتے ہیں کہ ان کا گھر سے نکالنا دراصل بدمزاجی کی وجہ سے تھا۔ (ابوداؤد شریف، ج ا، ص ۳۱۳، مطبوعہ آرام باغ، کراچی)

ثانیاً: ان کی اس روایت کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس زمانے میں رد کر دیا تھا جب بکثرت صحابہ کرام موجود تھے اور ان کی پوری تحقیقات ہوسکتی تھیں۔ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فاطمہ بنت قیس کی یہ حدیث پہنچی تو انہوں نے فرمایا:

"لسنا بتارکی آیة من کتاب اللّٰہ وقول رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لقول أمرأة لعلها او همت سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول لها السکنی و النفقة." (شرح معانی الآثار للطحاوی: ج۲، ص۴۴، ایچ ایم سعید)

ابواسحٰق کہتے ہیں کہ میں اسود بن یزید کے پاس کوفہ کی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا، وہاں پر شعبی نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث کا ذکر کیا، اس پر حضرت اسود نے شعبی کو کنکریاں ماریں اور کہا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں فاطمہ کی یہ روایت

پیش کی گئی تھی اور انہوں نے کہا تھا کہ ہم اپنے رب کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ایک عورت کے قول کی وجہ سے رد نہیں کر سکتے۔ معلوم نہیں اس نے یاد رکھا ہے یا بھول گئی ہے، اس لئے نفقہ اور سکونت دونوں ہے، اللہ کا حکم ہے "لاتخرجوهن من بيوتهن."

ثالثاً: اس خاتون کا نکاح بعد میں اسامہ بن زید سے ہوا تھا اور محمد بن اسامہ کہتے ہیں:

"كان اسامة اذا ذكرت فاطمة من ذلك شيئًا رماها بما كان فى يده." (شرح معانى الآثار للطحاوى. ج۲، ص٤٤، ایچ ایم سعید)

جب فاطمہ بنت قیس اس حدیث کو ذکر کرتیں تو میرے والد کو جو چیز بھی ہاتھ لگتی اٹھا کر ان پر مارتے۔ ظاہر بات ہے کہ اگر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کے علم میں سنت اس کے خلاف نہ ہوتی تو وہ اس حدیث پر اتنی ناراضگی کا اظہار نہ کرتے۔ اس تفصیل کا بالآخر خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ راجح قول وہی ہے جس میں مطلقہ مبتوتہ کیلئے نفقہ اور سکونت دونوں کا حق دیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ مرغینانی رحمہ اللہ اپنی کتاب ہدایہ میں لکھتے ہیں:

"ولنا ان النفقة جزاء احتباس على ما ذكرنا والاحتباس قائم فى حق حكم مقصود بالنكاح وهو الولد اذ العدة واجبة لصيانة الولد فتجب النفقة ولهذا كان لها السكنى بالاجماع وصار كما اذا كانت حاملاً وحديث فاطمة بنت قيس رده عمر "رضى الله عنه" فانه قال لاندع كتاب ربنا وسنة نبينا بقول أمراة لاندرى صدقت ام كذبت حفظت ام نسيت سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول للمطلقة الثلاث النفقة والسكنى ما دامت

فی العدة ورده ایضًا زید بن ثابت واسامة بن زید وجابر وعائشة "رضی اللّٰه عنہمز"." (ہدایة، ج۲، ص۴۲۰، ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ شمس الدین سرخسی رحمہ اللہ اپنی کتاب مبسوط میں لکھتے ہیں:

"(قال) ولکل مطلقة بثلاث أو واحدة السکنی والنفقة مادامت فی العدة اما المطلقة الرجعیه فلانها فی بیته منکوحة له کما کانت من قبل وانما اشرف النکاح علی الزوال عند انقضاء العدة و ذلك غیر مسقط للنفقة کمالو آلی منها او علق طلاقها بمضی شهر فاما المبتوته فلها النفقة والسکنی مادامت فی العدة عندنا."

(مبسوط للسرخسي: ج۵، ص۲۰۱، بیروت لبنان)

اسی طرح امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں لکھا ہے:

"قال ابوبکر اتفق الجمیع من فقهاء الا مصار واهل العراق ومالك والشافعی علی وجوب السکنی للمبتوتة وقال ابن ابی لیلٰی لاسکنی للمبتوتة انما هی للرجعیة .... واختلف فقهاء الا مصار فی نفقة المبتوتة فقال اصحابنا والثوری والحسن بن صالح لکل مطلقة السکنی والنفقة مادامت فی العدة حاملا کانت اوغیر حاملا وروی مثله عن عمرو ابن مسعود وقال ابن ابی لیلٰی لاسکنی للمبتوتة ولا نفقة وروی عنه ان لها السکنی ولا النفقة لها."

(احکام القرآن للامام ابی بکر جصاص، ج۳، ص۴۵۹، لاہور، پاکستان)

اسی طرح الشیخ اسعد محمد سعید الصاغرجی اپنی کتاب "الفقه الحنفی" میں لکھتے

ہیں:

"للمطلقة النفقة والسكنى فى عدتها سواء كان الطلاق رجعيًا ام بائنًا .... واما البائن فلانها محبوسة فى حقه وهو صيانة الولد بحفظ الماء عن الاختلاط والحبس لحقه موجب للنفقة ولذا كان لها السكنى بالاجماع. واما حديث فاطمة بنت قيس .... انكرته عليها السيدة عائشة وأنكره عمر "رضى اللّٰه عنه" وزيد بن ثابت، وجابر بن عبدالله، وقال عمر رضى اللّٰه تعالٰى عنه، لا نترك كتاب اللّٰه وسنة نبينا "صلى اللّٰه عليه وسلم" لقول امرأة لاندرى لعلها حفظت، أونسيت، لها السكنى والنفقة، قال اللّٰه عزوجل: (لاتخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن الا أن ياتين بفاحشة مبيّنة)"

(سورة الطلاق: ١) (الفقه الحنفى وأدلته: ج٢ ص٢٥٥، ادارة القرآن)

نفقہ کے بارے میں مغرب زدہ افراد کا ایک اعتراض اور اس کا جواب

آخر میں بعض مغرب زدہ لوگوں کا ایک اعتراض ذکر کرتا چلوں کہ اسلام نے عورت کو عدت کے دوران تو نفقہ کا حق دیا ہے لیکن عدت کے بعد ان کو نفقہ کا حق نہیں دیا حالانکہ عدت کے بعد تا نکاح ثانی نفقہ دینا چاہیئے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اسلامی شریعت کا قانون ہے کہ جب تک عورت کا مرد سے ایک گونہ تعلق ہو اس وقت تک تو عورت کا نفقہ مرد پر واجب ہوتا ہے لیکن جب تعلق ختم ہو جائے اور دونوں ایک

دوسرے کے لئے اجنبی بن جائیں تو پھر یہ عورت عام عورتوں کے حکم میں ہوجاتی ہے، جس طرح عام عورتوں کا نفقہ اس پر واجب نہیں اسی طرح یہ عورت بھی اس کے لئے اجنبیہ ہے اوراس کا نفقہ بھی اس پر واجب نہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

"حدثنا نصر قال حدثنی الخصیب قال ثنی ابوعوانة عن الاعمش عن عمارة بن عمیر عن الاسودأن عمر بن الخطاب وعبداللّٰه بن مسعود قالا فی المطلقة ثلاثا لها السکنی والنفقة."

(شرح معانی الآثار للطحاوی، ج۲، ص٤٤، ایچ ایم سعید)

قرآن وحدیث کی روشنی میں فقہاء نے بھی یہی لکھا ہے:

"واذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسکنی فی عدتها رجعیا کان أو بائنًا." (هدایه: ج۲، ص۴۱۹، ایچ ایم سعید)

اسی طرح صاحب شرح الوقایہ نے لکھا ہے:

"وللمطلقة الرجعی والبائن .... النفقة والسکنی ای مادامت فی العدة." (شرح الوقایة، باب النفقة: ج۲، ص۱۷۹)

اسی طرح صاحب قدوری نے لکھا ہے:

"واذا طلق الرجل امرأته فلها النفقة والسکنی فی عدتها رجعیا کان أو بائنًا."

(قدوری کتاب النفقات. ص۱٦۳ میر محمد کتب خانہ کراچی)

قرآن وحدیث اور کتب فقہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مطلقہ عدت کے زمانے تک نفقہ کی حق دار ہے، عدت گزر جانے پر اس کا کسی قسم کا تعلق شوہر سے باقی نہیں رہتا بالکل اجنبیہ ہوجاتی ہے، دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے، اس لئے اس کے نفقے کا ذمہ دار شوہر نہیں رہا وہ اپنی مرضی سے کچھ دیدے یا دیتا رہے تو وہ ممنوع نہیں بدون

رضا زبردستی نفقہ کا ذمہ دار بنادینا یا نہ دینے والے کو سزا کا مستحق قرار دینا شدید ظلم اور زیادتی ہے، ایسا حکم قرآن وحدیث میں نہیں ہے۔ قرآن وحدیث میں کسی جگہ بھی ہدایت موجود نہیں ہے کہ مطلقہ کو اس کی حیات یا دوسری شادی تک نفقہ دینا شوہر پر لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتے ہیں "وان یتفرقا" اور اگر دونوں میاں بیوی میں جدائی ہوجائے تو "یغن اللہ کلا من سعتہ" بے نیاز بنادے گا اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اور ہر ایک کو دوسرے سے مستغنی کردے گا۔ عورت کو کوئی دوسرا ٹھکانہ اور تکفل کا ذریعہ مل جائے گا اور مرد کو کوئی دوسری بیوی مل جائے گی۔ "وکان اللہ واسعًا حکیما" اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت اور حکمت والا ہے۔ (سورۂ نساء: آیت نمبر ۱۳۰، پارہ نمبر ۵)

اور خاص سورۃ طلاق میں جس میں طلاق، عدت طلاق اور نفقہ مطلقہ کا ذکر ہے۔ ارشاد فرمایا:

﴿ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجًا ۝ ویرزقہ من حیث لایحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ.﴾

(سورۃ الطلاق)

ترجمہ: "اور جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لئے نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اس کا گمان بھی نہیں ہوتا اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی اصلاح مہمات کے لئے کافی ہے۔"

اسی طرح حدیث میں ہے:

"عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لو انکم تتوکلون علی اللہ حق توکلہ لرزقکم کما یرزق الطیر

تغدو خماصًا وتروح بطانًا۔" (مشکوۃ شریف: ص۴۵۲)

ترجمہ: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بے شک اگر آپ لوگ خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھو گے جیسا کہ اس کا حق ہے تو وہ تمہیں ایسے طریقے سے روزی پہنچائیں گے جیسا کہ پرندوں کو روزی پہنچاتے ہیں کہ وہ علی الصبح بھوکے پیٹ جاتے ہیں اور سرِ شام شکم سیر ہو کر واپس لوٹتے ہیں۔"

کسی خدا پرست شاعر نے لکھا ہے:

غم روزی مخور برہم مزن اوراق دفتر را
کہ پیش از طفل ایزد پر کند پستان مادر را

ترجمہ: "روزی کا غم مت کھا اور پریشان حال مت رہ، تو نہیں دیکھتا کہ بچے کے دنیا میں قدم رکھنے سے قبل رازقِ عالم بچہ کی ماں کے پستان دودھ سے بھر دیتا ہے۔"

لہٰذا روزی کی بہت زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن اس کے باوجود شریعت نے عورت کو بے سہارا نہیں چھوڑا تو عدت کے بعد ظاہری طور پر اس کے گزران کی کیا صورت ہوگی تو اس کا حل بھی شریعت نے بتا دیا کہ عورت دوسرا نکاح کرے۔

بیوہ یا مطلقہ عورت کا دوسرا نکاح کرنا

نکاح ثانی اسلام میں معیوب نہیں ہے بلکہ فضیلت کی چیز ہے قرآن مجید میں ہے:

﴿وانکحوا الایامٰی منکم﴾ (القرآن)

مفسر قرآن علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کے تحت لکھتے ہیں کہ اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ جن عورتوں کا نکاح نہ ہوا ہو یا ہو کر بیوہ اور رنڈوی ہو گئیں ہوں تو مناسب موقع ملنے پر ان کا نکاح کر دیا کرو۔ حدیث شریف میں نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اے علی! تین کاموں میں دیر نہ کر، فرض نماز کا جب وقت آجائے، جنازہ جب موجود ہو اور رانڈ عورت جب اس کا کفو مل جائے۔'' جو قومیں رانڈیوں کے نکاح پر ناک بھوں چڑھاتی ہیں وہ سمجھ لیں کہ ان کا ایمان سلامت نہیں۔

(الجامع الترمذی۔ ج ۱، ص ۲۰۶، ایچ ایم سعید، فوائد عثمانی: سورۃ نور، پارہ نمبر ۱۸، ص ۴۷۲)

اسی طرح ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری القرطبی لکھتے ہیں:

''قوله تعالٰی (الایامی منکم) أی الذین لا أزواج لهم من الرجال والنساء، واحدهم أیّم قال ابوعمرو: أیامی مقلوب أیایم واتفق أهل اللغة علی أن الأیم فی الاصل هی المرأة ألتی لا زوج لها، بکرًا کانت أو ثیبًا حکی ذلك أبو عمرو والکسائی وغیرهما. الخ''

(تفسیر قرطبی: ج ۱۲، ص ۲۳۹، ۲٤۰)

اگر کسی مجبوری کی وجہ سے اس کا نکاح نہ ہو سکا تو پھر اگر عورت صاحب حیثیت ہو تو وہ اپنے مال سے اپنا گزران چلائے لیکن اگر وہ مالدار نہیں بلکہ غریب ہے تو اس وقت اس کے والدین یا بیٹا اس کے نفقے کا انتظام کرے، اس کے بعد اس کے اعزہ و اقرباء پر اس کا نفقہ لازم ہوگا۔ اگر شوہر کوئی عزیز ہو تو رشتہ دار ہونے کی وجہ سے اس پر اس کا خیال رکھنا ضروری ہوگا کہ وہ عزیز ہونے کی وجہ سے خیال رکھے، جس طرح اور اعزہ و اقرباء خیال رکھتے ہیں ورنہ عام مسلمانوں پر اس کی مدد کرنا ضروری ہے کہ وہ اس کی مدد کریں اور نفقہ کا بندوبست کریں۔ بعض لوگ جو مغربی قوانین سے متاثر اور ان کے دلدادہ ہیں وہ اپنے اس دعویٰ کے حق میں کہ عورت کو تا نکاح ثانی نفقہ دینا چاہیے، یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ قرآن شریف میں ہے:

﴿وللمطلقت متاع بالمعروف حقا علی المتقین.﴾

(الآیة) (سورة البقرة: آیت ۲٤۱)

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ آیت قرآنی کو توڑ مروڑ کر شوہر کو نفقہ کا ذمہ دار بنانا قرآن میں تحریف اور قانونِ شریعت میں دخل اندازی ہے جسے کوئی مسلمان مرد یا عورت بشرطیکہ وہ واقعی اور حقیقتاً سچا مسلمان ہو قبول نہیں کر سکتا۔ اس آیت سے یہ استدلال کرنا کہ مطلقہ عورتوں کے لئے دوسرا نکاح کرنے یا موت تک کے لئے نفقہ ہے کسی طرح درست نہیں ہے، یہ مطلب قرآن وحدیث اور تمام کتب فقہ کے خلاف ہے، کسی مفسر یا کسی فقیہ نے نہیں لکھا ہے اور قرآن میں بھی لفظ (متاع) متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے لیکن کسی جگہ بھی یہ مفہوم مراد نہیں لہٰذا یہ معنی لینا کہ ''دوسرا نکاح یا موت مطلقہ تک عورت کے لئے نفقہ ہے'' قرآن میں تحریف ہے۔

لغات القرآن مؤلفہ مولانا سیّد عبدالدائم جلالی میں ہے:

متاعاً: اسم مفرد منصوب نکرہ ۲/۱۵ اسم مصدر بمعنی مصدر متعدی یعنی کام میں آنے والی چیز دینا کپڑا، جوتا یا اور کوئی چیز جو حاکم مناسب سمجھے (شافعی) شوہر کے حال کے مناسب کرتہ چادر دوپٹہ دینا (حنفیہ) (تفسیر احمدیہ ۲/۷) تم کو فائدہ پہنچانے کے لئے اس جگہ بھی متاعاً بمعنی تمتیعاً ہے۔ ۱۷/۱۴ خانگی سامان ۴/۲۲ ضرورت کی کوئی چیز ۲/۲۳ فائدہ پر قائم رکھنے کے لئے ۱۵/۲۷ کام کی چیز ۴/۳۰ فائدہ کے لئے فائدہ پہنچانے کے لئے محلی........................ (لغات القرآن: ۵/۷/۲۸)

غور فرمائیں کسی بھی جگہ جو مفہوم اور مطلب بیان کیا جاتا ہے مراد نہیں ہے۔ عربی کی مشہور ڈکشنری ''المنجد'' میں ہے:

"المتعة: اسم للتمتيع، الزاد القليل، متعة المرأة ما وصلت به بعد الطلاق من نحو القميص والا زار والملحفة وهي متعة الطلاق."

(المنجد. ص٧٤٥ مطبوعه دارالمشرق بيروت)

لہٰذا متعہ یا متاع کا مفہوم یہ ہوگا کہ ایسی چیز دینا جس کا فائدہ وقتی جلد ختم

ہو جانے والا ہو جس کا مصداق فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہ قرار دیا ہے کہ مرد اپنی حیثیت کے مطابق ایک جوڑا دیدے اور حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا "امتعتہا" کیا تم نے اس عورت کو متعہ دیدیا تو اس نے کہا "لم یکن عندی شئی" میرے پاس کوئی چیز نہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "متعها بقلنسوتك ...." (روح المعانی۔ ج ۲۲، ص ۱۵۴)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے:

"وبما رواه البيهقي من طريق مصعب بن سلام .... عن جابر بن عبدالله في قصة فاطمة بنت قيس أنه صلى الله عليه وسلم قال: لزوجها متعها، قال: لا اجد ما أمتعها قال فانه لابد من المتاع، قال: متعها ولو بنصف صاع من تمر." (احكام القرآن للتهانوي، ج۱، ص ۶۰۳)

اسی طرح اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں اور (یاد رکھو) جن عورتوں کو طلاق دیدی گئی تو چاہئے کہ انہیں مناسب طریقے پر فائدہ پہنچایا جائے (یعنی ان کے ساتھ جس قدر حسن سلوک کیا جاسکتا ہے کیا جائے) متقی انسانوں کے لئے ایسا کرنا لازمی ہے۔ (ترجمان القرآن، سورۃ البقرہ)

اسی طرح مولانا عبدالماجد دریا آبادی نے لکھا ہے اور طلاقوں کے حق میں بھی نفع پہنچانا دستور کے موافق مقرر ہے (یہ) پرہیزگاروں پر واجب ہے۔
(تفسیر ماجدی، سورۃ البقرہ)

اسی طرح حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچانا (کسی درجہ میں مقرر ہے) قاعدہ کے موافق یہ مقرر ہوئی ہے ان پر جو (کفر و شرک) سے پرہیز

کرتے ہیں۔ (بیان القرآن: سورۃ البقرہ)

اسی طرح احکام القرآن للتھانوی میں لکھا ہے:

"فان المتاع اسم لجمیع ما ینتفع به، ونحن متی أو جبنا للمطلقات شیئًا مما ینتفع به من مهر أو متعة فقد قضینا عهدة الأیت." (احکام القرآن للتهانوی: ج۱، ص۶۰۲)

اسی طرح حجۃ الاسلام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الحنفی رحمہ اللہ نے احکام القرآن میں لکھا ہے:

"أن المتاع اسم لجمیع ما ینتفع به قال الله تعالیٰ (وفاکهة وابا متاعًا لکم ولانعامکم) وقال تعالیٰ (متاع قلیل ثم مأوٰهم جهنم) وقال تعالیٰ (انما هذه الحیٰوة الدنیا متاع) وقال الافوه الاودی انما نعمة قوم متعة: وحیاة المرء ثوب مستعار فالمتعة والمتاع اسم یقع علی جمیع ما ینتفع به." (احکام القرآن للجصاص: ج۱، ص۴۳۲)

ملاحظہ فرمائیں کسی مفسر نے بھی متاع کا ترجمہ اور مصداق یہ نہیں بتایا کہ عورت کو دوسرے نکاح یا موت تک نفقہ دیا جائے یا کوئی بڑی رقم دی جائے، اس لئے متاع کا مصداق دوسرا نکاح کرنے یا موت تک نفقہ قرار دینا یا اسی طرح کوئی بڑی رقم شوہر کے ذمہ واجب کردینا صحیح نہیں بلکہ یہ قرآن میں تحریف، شریعت میں دخل اندازی ہے۔ یہ اہل مغرب کی ذہن کی اختراع ہے، اسلامی شریعت میں تو یہ ہے اگر شوہر اپنی مرضی سے بڑی رقم دینے پر راضی ہوجائے یا وہ اپنی مرضی سے کچھ دیتا رہے تو وہ ممنوع نہیں مگر اس کو قانونی شکل دینا اور زبردستی شوہر کو نفقہ کا ذمہ دار بنانا اور نہ دینے پر اس کو مستحق سزا قرار دینا کسی حال میں بھی شرعاً درست نہیں اور جن حضرات سے بڑی رقم دینا منقول ہے وہ بھی اسی قبیل سے ہے کہ انہوں نے بطور تبرع واحسان دی ہے اگر وہ نہ

دیتے تو ان پر کوئی جبر نہیں کیا جا سکتا تھا اور نہ یہ عام قانون ہے کہ دینا ضروری ہوتا۔

دائمی مریض جو نفقہ ادا کرتا ہو اس کا حکم

اگر کوئی شخص نفقہ تو ادا کرے لیکن وہ بیمار ہو مثلاً نامرد ہو یا مقطوع الذکر ہو یا اسی طرح کی اور کوئی بیماری ہو تو آیا نفقہ ادا کرنے کے بعد بھی اس کا نکاح فسخ کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ یوں تو مرض اور بیماری زندگی کا ساتھی ہے تاہم بعض امراض ایسے ہیں جو اپنے سنگین تکلیف دہ ہونے اور متعدی اثرات کی وجہ سے لوگوں کیلئے قابل نفرت ہو جاتے ہیں یا ان کی وجہ سے مرد و عورت کے درمیان یا تو ازدواجی ملاپ ممکن نہیں ہوتا یا اس میں دلچسپی اور رغبت باقی نہیں رہتی۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا زوجین میں سے کسی ایک کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ دوسرے فریق کی بیماری اور عیب کے باعث فسخ نکاح کا مطالبہ کرے یا نہیں سب سے پہلے تو یہ سوال خود اپنے اندر کئی شقیں رکھتا ہے جب تک وہ واضح نہ ہوں تو اس کے بارے میں فقہاء کرام رحمہم اللہ کی رائے واضح نہیں ہو سکتی۔

(۱) شوہر یا بیوی میں عیب پہلے سے تھا لیکن نکاح سے پہلے دوسرے فریق کو آگاہ نہیں کیا گیا۔ نیز نکاح کے بعد اپنی زبان یا عمل کے ذریعے دوسرے فریق نے رضامندی ظاہر نہیں کی۔

(۲) عیب پہلے سے تھا اور دوسرا فریق اس سے باخبر تھا یا نکاح کے بعد جب باخبر ہوا تو اس نے اپنی طرف سے رضامندی ظاہر کر دی۔

(۳) نکاح کے بعد شوہر میں عیب پیدا ہوا ہو۔

(۴) نکاح کے بعد بیوی میں عیب پیدا ہوا ہو۔

اس سلسلے میں فقہاء کرام کی آراء مختلف ہیں: اصحابِ ظواہر کے نزدیک ان تمام صورتوں میں زوجین میں سے کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہوگا کہ وہ فسخ نکاح کا مطالبہ

کریں یہی رائے ابن حزم کی ہے۔ (المحلی۔ ج۱)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اگر شوہر مقطوع الذکر ہو یا نامرد ہو تو نامرد ہونے کی صورت میں عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے اور مقطوع الذکر ہونے کی صورت میں عورت کو یہ حق اس وقت حاصل ہوگا جب مرد نے ایک دفعہ بھی عورت سے جماع نہ کیا ہو اس کے سوا اور کسی صورت میں فسخ نکاح کا مطالبہ نہیں کرسکتی۔ نامرد ہونے کی صورت میں بھی حاکم اسے ایک سال کی مہلت دے گا اور اس ایک سال میں اگر تندرست ہوا تو بہت اچھا ورنہ تفریق کردی جائے گی۔ چاہے وہ نفقہ پورا دا کررہا ہو یا نہیں۔ چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"واذا كان الزوج عنّينًا اجّله الحاكم سنة فان وصل اليها فبها والا فرّق بينهما اذا طلبت المرأة ذلك هكذا روى عن عمرو علي وابن مسعود."

(هداية: ج۲، ص۳۹۷، ایچ ایم سعید)

اسی طرح تبیین الحقائق میں لکھا ہے:

"قال رحمه الله (وأجل سنة لوعنينا اوخصيا فان وطئى والا بانت بالتفريق ان طلبت: الكنز) وقال اهل الظاهر لا يؤجل ولا يفرق لحديث امرأة عبد الرحمٰن .... ولنا اجماع الصحابة على تأجيله ولان الواجب عليه الامساك بالمعروف وذلك بحسن الموافقت والمعاشرة ولا يتحقق ذلك بغير قضاء الشهوة فيكون امساكها بعد ذلك ظلمًا فيجب التسريح بالاحسان دفعًا للظلم عنها. الخ" (تبيين الحقائق. ج۳، ص۲۲)

اسی طرح عالمگیریہ میں ہے:

"اذا رفعت المرأة زوجها الى القاضی وادعت أنه عنین وطلبت الفرقة فان القاضی یسئاله هل وصل الیها أولم یصل فان أقرانه لم یصل أجّله سنة سواء كانت المرأة بكرا امر ثیبا." (عالمگیریہ: ج۱، ص۵۲۲، بیروت)

اسی طرح علامہ شمس الدین السرخسی نے مبسوط میں لکھا ہے:

"قال رضی اللّٰه عنه بلغنا عن عمر بن الخطاب رضی اللّٰه عنه قال یؤجل العنین سنة فان وصل الى امرأته فهی امرأته وان لم یصل الیها فرق بینهما وجعلها تطلیقة بائنة وجعل لها المهر كاملا وعلیها العدة وبهذا أخذ علمائنا بخلاف ما یقوله بعض الناس انه لاخیار لامرأة العنین اصلا. الخ"

(مبسوط للسرخسی: ج۵، ص۱۰۰، بیروت)

مختلف ممالک میں تفریق بالعیب کے رائج الوقت قوانین

لبنان

دفعہ نمبر ۱۹۹...... جب ایک صحت مند عورت اپنے شوہر کے جنسی عیوب پر مطلع ہو کہ اس کا شوہران امراض میں سے کسی ایک مرض میں مبتلا ہے تو اختیار ہے کہ وہ اس معاملے کو حاکم کے پاس لے جائے اور فرقت طلب کرلے لیکن اگر اس کے برعکس عورت خود ان امراض میں سے کسی مرض میں مبتلا ہے تو اسے تفریق کا حق حاصل نہیں اور وہ فرقت طلب نہیں کرسکتی۔

اسی طرح دفعہ نمبر ۱۲۰ میں ہے...... جب زوجہ نکاح سے قبل شوہر کے کسی عیب کے بارے میں سوائے نامردی کے مطلع ہوگئی یا کسی عیب پر نکاح کے بعد رضامند ہوگئی

تو اس کا حق طلب تفریق ساقط ہو جائے گا البتہ نکاح سے قبل اگر مرد کے عنین ہونے کی اطلاع ملی تو اس کے حق خیار کو یہ اطلاع ساقط نہیں کرے گی۔

دفعہ نمبر ۱۲۱ میں ہے..... جب عورت مذکورہ بالا دفعہ کے مطابق اپنا معاملہ حاکم وقت یا قاضی وقت کے سامنے پیش کرے تو قاضی دیکھے گا کہ مرض ناقابل زوال ہے یا قابل زوال، اگر مرض ناقابل زوال ہے تو تفریق کر دے گا، اگر قابل زوال ہے تو ایک سال کی مہلت دے گا۔ اگر ایک سال میں صحیح ہوا تو بہت اچھا ورنہ تفریق کر دے گا۔ عیوب اور امراض کی بناء پر تفریق کے موضوع پر اردن کا قانون لبنان کے قانون سے مختلف نہیں ہے۔

دفعہ نمبر ۵۴ میں ہے..... زوجہ اپنے شوہر میں ایسا عیب پائے جو مستحکم اور قوی ہو اور اس سے چھٹکارا ممکن نہ ہو اور اقامت و سکونت اس شوہر کے ساتھ بلا ضرر ممکن نہ ہو تو زوجہ کو اختیار ہے کہ قاضی کے ذریعے اپنے شوہر سے طلاق طلب کرے۔ خواہ وہ عیب شوہر میں نکاح سے پہلے ہو اور وہ اس سے واقف نہ ہو یا نکاح کے بعد پیدا ہوا ہو قاضی اس شوہر کو ایک سال کی مہلت دے اگر وہ مرض دور ہو گیا فبہا ورنہ حاکم وقت دونوں میں جدائی کروالیں۔ البتہ مراکش کے قانون انفساخ ازواج میں یہ بھی ہے کہ اگر زوجہ میں بیماری ہو مثلاً جنون، جذام، برص، سل یا فتق اور قبل الدخول شوہر کو علم ہو تو شوہر کو اختیار ہے کہ قبل الدخول طلاق دے دے تو اس صورت میں اس پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا البتہ اگر بعد الدخول طلاق دی تو شوہر کے ذمہ پورا مہر واجب ہوگا۔ اور اگر شوہر کو اس بیماری کا علم نہیں تھا عورت نے یا ولی نے دھوکہ دیا تو جو مہر مرد نے عورت کو دیا ہے وہ اس سے واپس لے سکتا ہے۔

عراق۔ دفعہ نمبر ۴۴..... جب شوہر اپنے کو نامرد پائے یا ایسے مرض میں مبتلا دیکھے جو جماع میں مانع ہو تو اس کو اختیار ہے محکمہ سے تفریق کی درخواست کرے۔ محکمہ اگر طبی معائنہ کے بعد بیماری کے زائل ہونے کی توقع رکھتا ہو تو محکمہ تفریق کو

بیماری کے دور ہونے تک مؤخر کر دے گا اگر وہ بیماری قاضی کی دی ہوئی مہلت میں دور ہوتی ہو تو صحیح ورنہ تفریق کر دی جائے گی۔

شام

دفعہ نمبر ۱۰۵...... زوجہ حسب ذیل صورتوں میں طلب تفریق کی مجاز ہوگی۔

(۱) شوہر میں کوئی ایسی بیماری ہو جو دخول سے مانع ہو۔

(۲) شوہر نکاح کے بعد پاگل ہو جائے۔

(۳) مذکورہ بیماریوں کے سبب عورت کا حق طلب تفریق اس وقت ساقط ہوگا جب ان کو نکاح سے قبل ان بیماریوں کا علم تھا اور نکاح کے بعد وہ راضی ہوگئی۔

(۴) مگر نامردی کی بناء پر حق تفریق کسی حالت میں ساقط نہیں ہوگی۔

مصر

دفعہ نمبر۹...... زوجہ کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے اور شوہر کے درمیان تفریق کرا لے جب وہ اپنے شوہر میں ایسا عیب پائے جو مستحکم ہے کہ اس سے اچھا ہونا ممکن نہیں یا اس بیماری سے اچھا ہونا ممکن ہو لیکن ایک لمبی مدت لگے گی اور اس عورت کو اپنے شوہر کے ساتھ رہنا بلا ضرر ممکن نہ ہو۔

جیسے جنون، جذام، برص لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ یہ عیوب شوہر میں پہلے سے ہوں اور عورت کو اس کا علم نہ ہو یا پہلے سے تو نہیں تھے بعد میں پیدا ہوئے لیکن عورت ان عیوب کے ساتھ شوہر کے ساتھ رہنے پر راضی نہیں۔ اگر عورت کو علم تھا اور وہ رہنے پر راضی ہوگئی تو پھر تفریق کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔

دفعہ نمبر۱۰...... تفریق بالعیب طلاق بائن ہے۔

دفعہ نمبر۱۶...... جن عیوب کے سبب نکاح فسخ کیا جاتا ہے ان کے بارے میں ان بیماریوں کا علم رکھنے والے اصحاب سے مدد لی جائے گی۔

پاکستان میں رائج الوقت قوانین

ازروئے دفعہ نمبر۲: ذیلی دفعات نمبر ۵ نمبر ۶ قانون انفساخ ازدواج مسلمان ۱۹۳۹ء۔

عورت کو مرد کے نامرد ہونے کے سبب طلب تفریق کا اختیار دیا گیا ہے، مرد کے دو سال سے پاگل ہونے کی بناء پر بھی عورت کو طلب تفریق کا حق حاصل ہے، اسی طرح اگر جذام یا زہریلے تناسلی مرض میں مرد مبتلا ہو تو اس صورت میں بھی عورت کو طلب تفریق کا اختیار حاصل ہے۔

مذکورہ بالا اسلامی ممالک کے قوانین پر تفصیلی تجزیہ

یوں تو اکثر انسان کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا ہیں البتہ بعض امراض زیادہ تکلیف اور متعدی ہونے کی وجہ سے زوجین کے لئے قابل نفرت ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے مرد اور عورت کا ایک جگہ رہنا ممکن نہیں۔ اب ان صورتوں میں مرد اور عورت کیا کریں، کیا ان کو طلب فرقت کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اس کی کئی صورتیں ہیں جس کی تفصیل پہلے صفحات میں تفصیل سے گذر چکی کہ اہل ظاہر کے نزدیک تو کسی بھی صورت میں زوجین کو طلب فرقت کا حق حاصل نہیں جبکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زوجہ فسخ نکاح کا مطالبہ اس وقت کر سکتی ہے جب اس کا شوہر نامرد ہو یا مقطوع الذکر ہو اور اسی طرح اگر مرد نے ایک مرتبہ بھی جماع نہ کیا ہو، اس کے علاوہ اور کسی صورت میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نکاح فسخ نہیں کیا جاسکتا ہے، چاہے جنون ہو یا برص ہو یا جذام یا اور کوئی بیماری یا عیب ہو، کسی بھی صورت میں فسخ نکاح کا مطالبہ نہیں کر سکتی ہے۔ البتہ جنون کی حالت میں اگرچہ امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ اس میں تفریق کا حق نہیں لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول یہ ہے کہ جنون کی حالت میں طلب تفریق کی جاسکتی ہے اور علماء کرام کا متفقہ فیصلہ بھی یہی ہے کہ

بوقت مجبوری جنون کی حالت میں تفریق کر سکتے ہیں لیکن اس کیلئے قضاء قاضی شرط ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے:

"واذا کان بالزوج جنون او برص او جذام فلاخیار لها عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمهم اللّٰه تعالیٰ."

(ھدایہ اوّلین: ص۳۹۸، ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

"(ولم یخیر احدهما بعیب) أی لاخیار لاحد الزوجین بعیب فی الآخر لان المستحق بالعقد هو الوطئی والعیب لا یفوته .... اطلق العیب فشمل الجذام والبرص والجنون والرتق والقرن."

(البحر الرائق: ج٤، ص١٢٦، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح فتح القدیر میں ہے:

"(واذا کان بالزوجة عیب الخ) الحاصل انه لیس لواحد من الزوجین خیار فسخ النکاح بعیب فی الآخر کائنا من کان عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ وأبی یوسف وهو قول عطاء والنخعی وعمر بن عبد العزیز. الخ"

(فتح القدیر: ج٤، ص١٣٣، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح عالمگیریہ میں ہے:

"اذا کان بالزوجة عیب فلا خیار للزوج واذا کان بالزوج جنون أو برص أو جذام فلا خیار لها کذا فی الکافی."

(عالمگیریہ: ج١، ص٥٢٦، بیروت)

اسی طرح علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"(ولا يتخير أحدهما) أى الزوجين (بعيب الآخر) فاحشا كجنون وجذام وبرص ورتق وقرن ...... درمختار وفى الرد (ولا يتخير) اى ليس لواحد من الزوجين خيار فسخ النكاح بعيب فى الآخر عند ابى حنيفة وابى يوسف."

(شامیہ: ج۳، ص۵۰۱، ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ فخر الدین بن عثمان الزیلعی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے "تبیین الحقائق" میں لکھا ہے:

"(ولم يخير احدهما بعيب) أى لم يخير واحد من الزوجين بعيب فى الآخر."

(تبيين الحقائق، ج۳، ص۲۵، مطبوعہ حقانیہ)

اور ہندیہ میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس طرح منقول ہے:

"قال محمد رحمه الله تعالىٰ عنه ان كان الجنون حادثا يؤجله سنة كالعنة ثم يخير المرأة بعد الحول اذا لم يبرأ وان كان مطبقا فهو كالجب وبه ناخذ كذا فى الحاوى القدسى." (هنديه: ج۱، ص۵۲٦، بيروت)

علامہ فخر الدین بن عثمان نے امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول اس طرح نقل کیا ہے:

"وقال محمد رحمه الله تعالىٰ ترد المرأة اذا كان بالرجل عيب فاحش بحيث لا تطيق المقام معه لانها تعذر عليها الوصول الى حقها المعنى فيه فكان كالجب والعنة. الخ" (تبيين الحقائق: ج۳، ص۲۵، مطبوعہ حقانیہ، ملتان)

اور فتح القدیر میں ہے:

"وعند محمد رحمه الله تعالىٰ لاخيار للزوج بعيب فى

المرأة ولها هی الخیار بعیب فیه من الثلاثة الجنون والجذام والبرص." (فتح القدیر: ج۴، ص۱۳۳، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی لئے حالت جنون میں امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کیا گیا ہے کہ عورت کا شوہر اگر مجنون ہو تو شدید مجبوری کی وجہ سے عورت کو طلب فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ احسن الفتاویٰ میں ہے:

اگر بوقت نکاح جنون موجود تھا اور بے خبری میں نکاح ہو گیا تو مالکیہ کے علاوہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی عورت کو خیار فسخ نکاح ہے، خواہ جنون مستوعب ہو یا غیر مستوعب۔ یعنی کبھی کبھی دورہ پڑتا ہو اور اگر نکاح کے بعد جنون مستوعب یا غیر مستوعب لاحق ہوا تو احناف کے ہاں فسخ نکاح کی کوئی صورت نہیں بوقت مجبوری مالکیہ کے قول پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ دونوں صورتوں میں تفریق کا طریقہ یہ ہے کہ عورت قاضی کی عدالت میں درخواست پیش کرے اور گواہوں سے ثابت کرے کہ فلاں شخص اس کا شوہر ہے اور ایسا خطرناک مجنون ہے کہ اس سے سخت اندیشہ ہے اور نا قابل برداشت ایذاء پہنچتی ہے۔ اس پر قاضی مجنون کے ولی کو اس کے علاج کے لئے ایک شمسی سال کی مہلت کا حکم سنائے، اگر مجنون کا ولی نہ ہو تو قاضی کسی شخص کو اس کا وکیل مقرر کر کے اسے حکم سنائے، ایک سال گزرنے پر اگر شوہر کو افاقہ نہ ہو اور عورت پھر درخواست کرے تو قاضی عورت کو اختیار دیدے، اگر عورت اسی مجلس میں تفریق طلب کرے تو قاضی تفریق کر دے۔ ایک سال کی مہلت کے حکم کی طرح تفریق کا حکم بھی قاضی مجنون کے ولی کو اور اگر وہ نہ ہو تو مقرر کردہ وکیل کو سنائے۔ اگر یہ جنون بوقت عقد موجود تھا تو یہ تفریق فسخ ہے اور اگر بعد میں لاحق ہوا تو اس بارے میں کتب مالکیہ کی عبارات مختلف ہیں کہ یہ فسخ ہے یا کہ طلاق بائن؟ مالکیہ سے اس کی تحقیق کر لی جائے، اگر تحقیق نہ ہو سکے تو احتیاط اس میں ہے کہ اسے طلاق بائن قرار دیا جائے، لہٰذا اگر اس طلاق کی عدت کے اندر دو طلاقیں مزید دیدیں یا اسی عورت سے دوبارہ نکاح

کر کے پھر دو طلاقیں دیدیں تو طلاق مغلظ ہو جائے گی۔

اگر خلوت صحیحہ سے قبل نکاح فسخ ہو گیا تو مہر ساقط ہو جائے گا اور عورت پر عدت بھی نہیں اور اگر خلوت صحیحہ ہو چکی تھی تو مہر کامل واجب ہے اور عدت بھی۔

شرائط تفریق

(۱) جنون خطرناک حد تک ہو، شدید ایذاء کا باعث ہو، معمولی جنون میں خیار تفریق نہیں۔

(۲) نکاح سے قبل جنون کا علم نہ ہو۔

(۳) جنون کا علم ہونے کے بعد عورت نے اس کے نکاح میں رہنے پر کبھی اظہار رضا نہ کیا ہو، اگر ایک بار رضامندی ظاہر ہو چکی ہو تو خیار نہ رہے گا۔

(۴) جنون کا علم ہونے کے بعد عورت نے بالاختیار جماع یا دواعی جماع کا موقع نہ دیا ہو، اگر مجنون نے جبراً ہمبستری کر لی تو اس سے اختیار باطل نہ ہوگا، اسی طرح اگر معمولی جنون میں ہم بستری کا موقع دیا یا اس کے نکاح میں رہنے پر رضا کا اظہار کیا مگر بعد میں جنون خطرناک حد تک پہنچ گیا تو خیار تفریق باطل نہ ہوگا۔

(۵) مجنون سے تفریق کے لئے قضاء قاضی شرط ہے۔

(۶) مہلت کی میعاد ایک شمسی سال گزر جانے کے بعد عورت کی دوبارہ درخواست پر جب قاضی عورت کو اختیار دے تو اسی مجلس میں عورت فسخ نکاح قبول کر لے، اگر مجلس برخاست ہو گئی یا عورت کسی دوسری گفتگو یا کسی کام میں مشغول ہو گئی تو اسے خیار نہ رہے گا۔

اگر مجنون جماع پر قادر نہیں تو وہ عنین ہے اور اگر ہمیشہ غائب رہتا ہے تو وہ غائب غیر مفقود ہے، عنین اور غائب غیر مفقود سے تفریق کی صورت احسن الفتاویٰ میں موجود ہے۔ (احسن الفتاویٰ۔ ج ۵، ص ۴۲۵، ۴۲۶)

مذکورہ اسلامی قوانین میں جہاں برص، جذام اور دیگر بیماریوں کی وجہ سے تفریق کی اجازت دی گئی ہے یہ احناف کے مذہب کے مطابق نہیں۔ البتہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو لیا گیا ہے، حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اہل علم حضرات اس پر غور فرمائیں تو مناسب رہے گا کہ بیماریوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے بعض بیماریاں موذی ہیں جس میں جنسی ملاپ بھی درست نہیں۔ اس معاملے پر غور کر کے اگر امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول اور ائمہ ثلاثہ کے قول پر فتویٰ دیا جائے تو مناسب رہے گا کہ جہاں مرض متعدی اور قابل نفرت ہو کہ ملاپ مشکل ہو جائے وہاں تفریق کی صورت نکال دی جائے۔

ایڈز کی وجہ سے فسخ نکاح

ایڈز ایک ایسا قابل نفرت اور متعدی مرض ہے کہ جنسی ربط اس مرض کی منتقلی کا ایک اہم سبب ہے تو کیا اس مرض کی وجہ سے عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکتی ہے یا نہیں؟

فسخ نکاح کے مسئلے میں فقہاء کرام کی آراء مختلف ہیں:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شوہر کے نامرد اور مقطوع الذکر کے علاوہ اور کسی صورت میں عورت فسخ نکاح کا مطالبہ نہیں کر سکتی ہے۔ چنانچہ علامہ مرغینانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”واذا کان بالزوج جنون اوبرص او جذام فلاخیار لها عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ وابی یوسف.“

(ہدایہ. ج۲، ص۳۹۸، ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ ”ردالمحتار“ میں رقم طراز ہیں:

"(ولا یتخیر الخ) أی لیس لواحد من الزوجین خیار فسخ النکاح بعیب فی الآخر عند ابی حنیفة وابی یوسف رحمہم اللہ تعالٰی." (رد المحتار. ج۳، ص۵۰۱، ایچ ایم سعید)

اسی طرح ملاحظہ فرمائیں: (البحر الرائق، ج۴، ص۱۲۶، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ، فتح القدیر، ج۴، ص۱۳۳، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ، عالمگیریہ، ج۱، ص۵۲۶، مطبوعہ بیروت)

ائمہ ثلاثہ کا مسلک

امام شافعی، امام مالک اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کے نزدیک نکاح ان معاملات میں سے ہیں جو عیب کی وجہ سے فسخ کیا جاسکتا ہے کہ اگر نکاح کے بعد شوہر میں کوئی عیب پیدا ہوجائے یا نکاح کے وقت موجود تھا لیکن عورت کو مطلع نہیں کیا گیا تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے جن عیوب سے فسخ نکاح کا حق دیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ولا یتخیر احدھما ای الزوجین بعیب الآخر، فاحشا کجنون وجذام وبرص ورتق وقرن قال ابن عابدین، وخالف الائمة الثلاثه فی الخمسة مطلقا."

(الدرالمختار، ج۳، ص۵۰۱، ایچ ایم سعید)

اسی طرح ملاحظہ فرمائیں: (الفقه علی مذاهب الاربعه. ج٤، ص۱۸۰، بیروت)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک

امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی کے نزدیک جنون و برص اور جذام کی وجہ سے بھی عورت فسخ نکاح کا مطالبہ کرسکتی ہے۔ عام طور پر محققین نے یہی قول نقل کیا ہے کہ امام محمد کے نزدیک جنون، برص اور جذام میں عورت فسخ نکاح کرسکتی ہے لیکن بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس مسئلے میں توسیع ہے جو علامہ کاسانی

اورعلامی زیلعی کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ عالمگیریہ نے امام محمد کا قول اس طرح نقل کیا ہے:

"قال محمد رحمه الله تعالىٰ ان كان الجنون حادثا يؤجله سنة كالعنة ثم يخير المرأة بعد الحول اذا لم يبرأ وان كان مطبقا فهو كالجب وبه ناخذ كذا فى الحاوى القدسى." (هندية. ج۱، ص۵۲۶، مطبوعہ بیروت)

اسی طرح صاحب فتح القدیر نے امام محمد کا قول اس طرح نقل کیا ہے:

"وعند محمد لاخيار للزوج بعيب فى المرأة ولها الخيار بعيب فيه من الثلاثة الجنون والجذام والبرص."

(فتح القدير. ج۴، ص۱۳۳، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ شامی رحمہ اللہ نے امام محمد کا قول نقل کیا ہے:

"قال فى الدر (ولا يتخير احدهما ...... بعيب الآخر) فاحشا كجنون وجذام وبرص ورتق وقرن ...... قال ابن عابدين، وخالف الائمة الثلاثة فى الخمسة مطلقًا، ومحمد فى الثلاثة الاوّل لو بالزوج." (ردالمحتار. ج۳، ص۵۰۱، ایچ ایم سعید)

علامہ زیلعی رحمہ اللہ نے امام محمد کا قول اس طرح نقل کیا ہے:

"وقال محمد ترد المرأة اذا كان بالرجل عيب فاحش بحيث لاتطيق المقام معه لانها تعذر عليها الوصول الى حقها لمعنى فيه فكان كالجب والعنة."

(تبيين الحقائق، ج۳، ص۲۵، مطبوعہ حقانیہ ملتان)

علامہ زیلعی رحمہ اللہ کی عبارت سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ امام محمد کے نزدیک اس میں حصر وتحدید نہیں بلکہ توسیع ہے کہ اگر شوہر میں ایسا کھلا ہوا عیب ہو کہ عورت اس

کے ساتھ نہیں رہ سکتی تو عورت نکاح رد کرسکتی ہے، اس لئے کہ عورت کے لئے اس صورت میں اپنا حق وصول کرنا دشوار ہوجائے گا تو لہٰذا یہ مقطوع الذکر اور عنین جیسا عیب شمار ہوگا۔

اسی طرح علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے امام محمد کا قول نقل کیا ہے:

"وقال محمد رحمه الله تعالىٰ خلوه من كل عيب لايمكنها المقام معه الا بضرر كالجنون والجذام والبرص شرط لزوم النكاح حتى يفسخ به النكاح."

(بدائع الصنائع، ج۲، ص۳۲۷، ایچ ایم سعید)

نکاح کے لازم ہونے کے لئے ایسے عیوب سے شوہر کا خالی ہونا ضروری ہے کہ جن عیوب کے رہتے ہوئے اس کے ساتھ ضرر اٹھائے بغیر عورت نہ رہ سکتی ہو جیسے جنون، برص، کوڑھ۔ ان امراض کی وجہ سے نکاح فسخ کیا جاسکتا ہے۔ متاخرین احناف نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے: چنانچہ عالمگیریہ میں ہے:

"قال محمد رحمه الله تعالىٰ ان كان الجنون حادثا يؤجله سنة كالعنة ثم يخير المرأة بعد الحول اذا لم يبرأ وان كان مطبقًا فهو كالجب وبه نأخذ كذا فى الحاوى القدسي." (هنديه ج١، ص٥٢٦، بيروت)

چونکہ اس مسئلے میں امام محمد کا مسلک شریعت کی روح اور مزاج سے زیادہ قریب ہے اور مصلحت عامہ کے مطابق بھی ہے اس لئے بعد کو فقہاء احناف نے امام محمد کے قول پر فتویٰ دیا ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم لکھتے ہیں:

"وقد كتبنا فى القواعد الفقهية فى مذهب الحنفيه ان القاضى لو قضى برد أحد الزوجين بعيب نفذ قضاءه."

(البحر الرائق. ج٤، ص١٢٧، مطبوعہ رشیدیہ)

اس مسئلے میں اوّل تو خود امام محمد کے یہاں صرف جذام، جنون اور برص کی بیماریوں کی تخصیص نہیں ہے بلکہ وہ تمام بیماریاں موجب فسخ ہیں جن کی موجودگی میں مرض کی متعدی اور قابل نفرت ہونے کے باعث زوجین کا ایک ساتھ رہنا دشوار ہو اور اگر امام محمد کی رائے نہ بھی ہو تب بھی مصلحت شرعی کے تحت متاخرین کو اس مسئلہ میں توسیع سے کام لینا پڑتا ہے۔

چونکہ ایڈز، برص، جذام اور جنون سے زیادہ قابل نفرت اور متعدی ہے اور جنسی ربط اس مرض کی منتقلی کی ایک اہم سبب ہے اور ضرر اٹھائے بغیر بیوی شوہر کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔

ان تفصیلات کی روشنی میں اگر غور کیا جائے تو ائمہ ثلاثہ کے علاوہ حنفیہ کے نزدیک بھی ایڈز ان امراض میں سے ہے، جن کی وجہ سے عورت کو حق تفریق حاصل ہوتا ہے۔ لہٰذا اب اگر کوئی مرد ایڈز کا مریض ہو مگر اس نے اپنا مرض ظاہر کئے بغیر کسی خاتون کے ساتھ نکاح کر لیا تو ایسی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا اور اگر نکاح کے بعد مرد اس بیماری میں مبتلا ہو جائے اور خطرناک حد تک پہنچ جائے تو بیوی کے لئے فسخ نکاح کا حق حاصل ہونا چاہئے۔ چونکہ ایڈز اور اس قسم کے دیگر موذی و متعدی اور قابل نفرت امراض میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے تو اس قسم کے مسائل کے حوالے سے اہل علم حضرات کے غور و فکر کی ضرورت ہے کہ اگر اس قسم کے مسائل پیش آئیں اور عموماً پیش آتے رہتے ہیں تو کیا فیصلہ کیا جائے۔ امید ہے کہ اہل علم حضرات اس کی طرف توجہ فرمائیں گے۔

مفقود الخبر شخص جو نان و نفقہ کیلئے بھی کچھ نہ بھیجتا ہو اس کا حکم

مفقود الخبر شوہر جو نان و نفقہ بھی ادا نہ کرتا ہو اس کی بیوی کا کیا حکم ہوگا۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے مختص سوالات ہیں جن کے جوابات ضروری ہیں:

(۱۱) مفقود الخبر کا اطلاق کس پر ہوگا؟

(۱۲) مفقود الخبر شخص کی بیوی نکاح کی مجاز ہوگی یا نہیں، اگر ہوگی تو اس کے لئے کتنی مدت اور کیا شرائط ہیں؟

(۱۳) مفقود الخبر شخص اگر بیوی کے گزر اوقات کے لئے کچھ نہ چھوڑ کر جائے اور نہ بیوی کے لئے کفالت کا کوئی ذریعہ ہو تو کیا اب بھی اسے ایک مدت تک انتظار اور صبر کرنا ہوگا؟

(۱۴) مفقود الخبر شخص اگر بیوی کے نکاح کے بعد آئے تو اب وہ عورت کس کی تصور کی جائے گی۔

(۱۵) جو شخص بالکل لاپتہ نہ ہو لیکن آتا نہ ہو غائب رہتا ہو تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

ملکی موجودہ حالات میں غربت وافلاس اور معاشی تنگی کے باعث پسماندہ طبقوں میں مردوں کے فرار ہونے اور لاپتہ ہوجانے کے واقعات جس کثرت سے پیش آرہے ہیں اور اسی طرح عورتوں کی کسمپرسی، غربت اور بے سہارگی کی وجہ سے جن فتنوں کا اندیشہ ہمیشہ دامن گیر رہتا ہے اس نے اس مسئلہ کو انتہائی اہم بنادیا ہے۔ اس لئے انتہائی ضروری ہے کہ اس مسئلے کو مفصل لکھ کر واضح کیا جائے تو آیئے قرآن وسنت کی روشنی میں اس مسئلے کا حل تلاش کرتے ہیں۔

(۱۱) مفقود الخبر سے مراد وہ شخص ہے جو اس طرح غائب ہو کہ کچھ پتہ نہ ہو کہ وہ کہاں ہے، زندہ ہے یا مردہ؟

امام ابوالحسن القدوری رحمہ اللہ اپنی کتاب مختصر القدوری میں لکھتے ہیں:

"اذا غاب الرجل فلم يعرف له موضع ولا يعلم أحيٌّ هو ام ميت ...." (مختصر القدوری. ص۱۵۵، مکتبہ خیر کثیر)

اسی طرح امام عبداللہ بن محمد بن سلیمان اپنی کتاب مجمع الانہر میں لکھتے ہیں:

"وفي الشرع هو اى المفقود (غائب) اى بعيد عن اهله

ولم يذكر الغائبة لانه من الاحكام المشتركة (لايدری) ای لایعلم (مكانه و لاحياته ولاموته) وفى البحر المدار انما هو على الجهل بحياته وموته لا على الجهل بمكانه فانهم جعلوا منه كما فى المحيط المسلم الذی اسره العدو ولا يدری أحيٌّ ام ميت مع ان مكانه معلوم۔"

(مجمع الانہر: ج۱، ص۷۱۲، بیروت)

اسی طرح علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے ہدایہ میں لکھا ہے:

"اذا غاب الرجل فلم يعرف له موضع ولا يعلم أحيٌّ هو ام ميت......." (ہدایہ اوّلین: ص۵۸٤، ایچ ایم سعید)

اسی طرح تبیین الحقائق میں ہے:

"قال رحمه الله (هو غائب لم يدر موضعه) وذكر فى النهاية أنه فى اللغة من الاضداد يقول الرجل فقدت الشئى أى أضللته وفقدته اى طلبته وكل من المعنيين متحقق فى المفقود فقد ضل عن اهله وهم فى طلبه وفى اصطلاح الفقهاء غائب لم يدر موضعه وحياته و موته واهله فى طلبه. (تبيين الحقائق: ج۳، ص۳۱۰، مکتبہ حقانیہ ملتان)

علامہ شرف الدین مقدسی نے اس کی مثال دیتے ہوئے لکھا ہے کہ جیسے کوئی شخص اہل وعیال کے درمیان سے گم ہوجائے یا نماز کو نکلے اور واپس نہ آئے یا کسی قریبی جگہ بغرض ضرورت جائے اور پھر اس کا پتہ نہ ہو یا کسی ریگستان کی طرف چلا جائے یا میدانِ جنگ کی طرف کوچ کر جائے یا کشتی میں سوار ہو اور وہ کشتی ڈوب جائے اور یقین کے ساتھ معلوم نہ ہو کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ (الاقناع۔ج۴،ص۱۱۳)

اسی طرح جو شخص کبھی یہاں رہے کبھی وہاں رہے کسی ایک جگہ جم کر نہ رہے اور

اہل حق کا حق ادا نہ کرے تو اصطلاح فقہاء میں اسے بھی مفقود الخبر سمجھا جائے گا۔

(١٢) مفقود الخبر شخص کی بیوی دوسرے شخص سے نکاح کی مجاز ہوگی یا نہیں؟ اس مسئلے میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں۔ اہل علم کی ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ جب تک شوہر کی موت واقع نہ ہوجائے عورت نکاح کی مجاز نہیں، ابن ابی شیبہ نے حکم کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہی رائے نقل کی ہے۔

"اذا فقدت زوجها لم تزوج حتی یصل ان یموت"

شعبی کہتے ہیں عورت اس کے مرنے یا واپس ہونے کا انتظار کرے حتی یرجع او یموت ابوقلابہ کہتے ہیں جب تک شوہر کی موت واضح نہ ہو دوسرا نکاح نہیں کرسکتی، حتی تبین لها موته یہی رائے ابراہیم نخعی، حماد، جابر بن زید سے بھی منقول ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ۔ ج ۴، ص ۲۳۶، فی مراۃ المفقود)

علامہ ابن حزم کی بھی یہی رائے ہے بلکہ انہوں نے اپنی تلاش اور جستجو سے اس فہرست میں خاصا اضافہ کردیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے جن لوگوں کی رائے یہ نقل کی ہے ان میں حضرت عمر، عبداللہ بن مسعود، عثمان غنی، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، حسن رضوان اللہ علیہم اجمعین، ابراہیم نخعی، حکم بن عتبہ، مکحول، عمر بن عبدالعزیز، سعید بن مسیب قتادہ، ابن ابی لیلیٰ، سفیان ثوری، اوزاعی، لیث بن سعد اور داؤد ظاہری شامل ہیں۔ (المحلی، ج ۱۰، ص ۱۴۰، بیروت)

اور یہی رائے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے۔ (رحمۃ الامۃ، ص ۳۱۲، کتاب العدۃ)

اور قولِ جدید میں امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے۔ (کتاب الام۔ ج ۳، ص ۲۳۹)

احناف کے ہاں اتنی مدت کے بعد عورت نکاح کرسکتی ہے جس میں غالب توقع ہو کہ اب شوہر کی موت واقع ہوچکی ہوگی، لیکن اس میں مدت انتظار کیا ہوگی؟ اس سلسلے میں فقہاء احناف کی رائے مختلف ہیں۔

شرح الوقایہ میں محمد بن فضل اور محمد بن حامد سے ۹۰ سال نقل کیا گیا ہے، امام

ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے ایک قول ۳۰ سال کا مروی ہے۔ بعض حضرات نے ۶۰، ۷۰ کا قول نقل کیا ہے، ایک روایت ۸۰ کی نقل کی جاتی ہے۔ صاحب جامع الرموز نے لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں ۸۰ سال والے قول پر فتویٰ ہے۔ تاہم قرین قیاس یہ قول ہے کہ اس کے ہم عمر افراد اکثر اس دارِ فانی سے دارِ بقاء کی طرف کوچ کر جائیں تو سمجھا جائے گا کہ وہ بھی مر چکا ہے اور اس کو دوسرے نکاح کی اجازت ہوگی۔ چنانچہ علامہ فخر الدین بن عثمان نے اپنی کتاب تبیین الحقائق میں لکھا ہے:

”(وحکم بموته بعد تسعین سنة) لان الغالب لایعیش اکثر من ذلك وهو مروی عن ابی بکر الفضلی وعن ابی بکر محمد بن حامد وابو یوسف قدره بمائة سنة وروی الحسن عن ابی حنیفة انه قدره بمائة وعشرین سنة وفی ظاهر الروایة انه مقدر بموت الا قران فی بلده.“

(تبیین الحقائق. ج۳، ص۳۱۲، حقانیہ ملتان)

اسی طرح عالمگیری میں ہے:

”لا یفرق بینه وبین امرأته وحکم بموته بمضی تسعین سنة وعلیه الفتویٰ وفی ظاهر الروایة یقدر بموت أقرانه فاذا لم یبق أحد من أقرانه حیا حکم بموته ویعتبر موت أقرانه فی اهل بلده کذا فی الکافی.“

(هندیة: ج۲، ص۳۰۰، بیروت)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے البحر الرائق میں لکھا ہے:

”(قوله وحکم بموته بعد تسعین سنة) لانه الغایة فی زماننا والحیاة بعدها نادر فلا عبرة للنادر وقد وقع الاختلاف فی هذه واختلف الترجیح فظاهر الروایة وهو

المذهب أنه مقدر بموت الاقران فی السن."

(البحرالرائق: ج۵، ص۱٦٥، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح خاتمۃ المحققین علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"(قوله علی المذهب) وقیل یقدر بتسعین سنة بتقدیم التاء من حین ولادته، واختاره فی الکنز وهو الارفق، هدایة، وعلیه الفتوی ذخیرة وقیل بمائة، وقیل بمائة وعشرین، واختار المتأخرون ستین سنة، واختار ابن الهمام سبعین ...... قلت وقد یقال: لا مخالفة بل هو تفسیر لظاهر الروایة وهو موت الاقران."

(شامیہ: ج٤، ص٢٩٦، ایچ ایم سعید)

دوسری رائے یہ ہے کہ شوہر کے غائب ہونے کے بعد جب عورت مقدمہ قاضی کے پاس لے جائے تو پہلے قاضی اس کے متعلق تحقیق کرے، جب اس کا کوئی پتہ نہ چلے تو عورت کو چار سال انتظار کا حکم دے، چار سال کے دوران بھی اگر شوہر نہ آئے تو اب عورت کو اجازت دی جائے کہ وہ عدت وفات گزار کر دوسرا نکاح کرلے۔ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ پہلے گروہ میں شامل بعض افراد سے یہ روایت بھی منقول ہے کہ چار سال کی مہلت دے کر وہ عورت کو نکاح ثانی کی اجازت دیتے ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ وہ مفقود الخبر کی بیوی کو چار سال کے انتظار اور عدت وفات گزارنے کے بعد نکاح ثانی کی اجازت دیتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ۔ ج۴، ص۲۳۷، بیروت)

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اسی روایت پر اپنے مسلک کی بنیاد رکھی ہے اور اسی

طرح امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے۔ البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ امام احمد کے ہاں قاضی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں عورت خود چار سال انتظار کرلے تو کافی ہے۔

"فانها تربص اربع سنين ثم تعتد فلو فات اربعة اشهر وعشرا ولا يفتقر الامر الى الحاكم يحكم بضرب المدة وعدة الوفاة." (الاقناع: ج٤، ص١١٣، بيروت)

اسی طرح علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک اس طرح نقل کیا ہے:

"(خلاف لمالك) فان عنده تعتد زوجة المفقود عدة الوفاة بعد مضى أربع سنين وهو مذهب الشافعي رحمه الله تعالى القديم.". (شامية: ج٤، ص٢٩٥، ایچ ایم سعید)

اسی طرح ہدایہ میں ہے:

"وقال مالك رحمه اللّٰه تعالى اذا مضى اربع سنين يفرق القاضي بينه وبين امرأته وتعتد عدة الوفاة ثم تتزوج."

(هدایہ اوّلین: ص٥٨٥، ایچ ایم سعید)

مفقود الخبر کی بیوی موجودہ زمانہ میں کب دوسرا نکاح کرے گی

مفقود الخبر کی بیوی کے لئے بہتر تو یہ ہے کہ شوہر کی عمر نوے برس تک انتظار کرے، حنفیہ کا اصل مذہب بھی یہی ہے کہ جب تک مفقود کی موت کا گمان غالب نہ ہوجائے اس وقت تک انتظار کرے۔ لیکن اگر زوجہ صبر نہ کرسکے، ایسی مجبوری میں ضرورتِ شدیدہ کی وجہ سے متاخرین حنفیہ نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر فتویٰ

دیا ہے کہ عورت کسی حاکم مسلم کے ہاں دعویٰ پیش کرے، دعویٰ ثابت کرنے کے بعد چار سال گزارے، اس کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے کہ مفقود الخبر کی زوجہ چار برس کے بعد عدتِ وفات دس دن چار ماہ پورے کر کے موافق مذہب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرا نکاح کر سکتی ہے، اس پر حنفیہ کا فتویٰ ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ج ۱۰، ص ۲۷٦)

اسی طرح مفتی کفایت اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حنفیہ کا اصل مذہب تو وہی ہے کہ جب تک مفقود کی موت کا گمان غالب نہ ہو جائے اس کی زوجہ انتظار کرے اور اس مدت کی مقدار جس میں موت کا گمان غالب حاصل ہو، موت اقران یا رائے قاضی یا نوے برس کے ساتھ علی اختلاف الاقوال مقدر ہے لیکن متاخرین حنفیہ نے ضرورت شدیدہ کے وقت حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کے موافق فتویٰ دے دیا ہے۔ الخ (کفایت المفتی: ج ٦، ص ۲۱۰، ۲۱۱)

اسی طرح احسن الفتاویٰ میں فقیہ العصر حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں: مفقود کی بیوی کے لئے بہتر ہے کہ شوہر کی عمر نوے برس ہونے تک صبر کرے، اگر صبر نہ کر سکے تو ایسی مجبوری میں مذہب مالکی کے مطابق یہ عورت کسی حاکم مسلم کے ہاں دعویٰ پیش کرے اور گواہوں سے مفقود کے ساتھ تا حال قیام نکاح حاکم کے پاس ثابت کرے۔ نکاح کے اصل شاہد ضروری نہیں بلکہ شہادت بالتسامع کافی ہے یعنی نکاح کی عام شہرت سن کر نکاح پر شہادت دی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد شوہر کے مفقود ہونے کی شہادت شرعیہ پیش کرے، پھر حاکم اس شخص کی بقدر ممکن تلاش کرے جہاں اس کے جانے کا ظن غالب ہو وہاں آدمی بھیجے اور جہاں صرف احتمال ہو خط وغیرہ سے تحقیق کرے۔ اخبار میں اشتہار دینا مفید معلوم ہو تو یہ بھی کرے، بہرکیف ہر ممکن صورت سے اس کی تلاش میں پوری کوشش کرے، حاکم کے پاس دعویٰ پیش ہونے سے قبل عورت کی طرف سے یا کسی دوسرے شخص کی طرف نے

تلاش کی کوشش کافی نہیں بلکہ دعویٰ پیش ہونے کے بعد ضروری ہے کہ حاکم خود پوری کوشش کرے دوسروں کے کہنے پر ہرگز اعتبار نہ کرے، جب حاکم شوہر کے ملنے سے بالکل ناامید ہوجائے تو عورت کو چار سال کی مہلت دے، اگر ان چار سالوں میں بھی اس کی کوئی خبر نہ آئی تو عورت حاکم کے پاس دوبارہ درخواست پیش کر کے نکاح فسخ کروالے اور شوہر کو مردہ تصور کر کے عدت موت چار ماہ دس دن گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے، اگر کہیں حاکم مسلم موجود نہ ہو یا وہ شریعت کے مطابق فیصلہ نہ کرتا ہو تو جماعت المسلمین بطریق مذکور فسخ نکاح کا فیصلہ کرسکتی ہے مگر اس کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ہیں:

① جماعت کے ارکان کم از کم تین ہوں۔
② سب ارکان عادل یعنی پکے دیندار ہوں جن کی دینداری میں کوئی شبہ نہ ہو۔
③ سب ارکان یا کم از کم ایک رکن ایسا عالم ہو جو شہادت و قضاء کے احکام شرعیہ میں ماہر ہوں۔
④ فسخ نکاح کا فیصلہ سب ارکان اتفاقِ رائے سے کریں۔
⑤ شوہر کی تلاش کے وقت مصارف عورت خود برداشت کرے، اگر وہ عاجز ہو تو حکومت برداشت کرے۔ (احسن الفتاویٰ۔ج۵،ص۴۲۰،۴۲۱)

اسی طرح مفتی عبدالرحیم لاجپوری اس کے متعلق لکھتے ہیں: زوجہ مفقود کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک مدلل و مبرہن ہے مگر اس زمانہ میں چونکہ اس کے مطابق عمل کرنا از حد مشکل ہے اس لئے علماءِ احناف نے اس مسئلہ میں عورتوں کی بے صبری اور سہولت کی خاطر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے مطابق فتویٰ دینا اور فیصلہ کرنا شروع کیا ہے مگر جب کسی مسئلہ میں کسی دوسرے امام کا مسلک اختیار کیا جائے تو یہ شرط ہے کہ ان کے نزدیک جو جو شرائط ہوں ان کی پوری رعایت کی جائے؛ اسی لئے حضرت اقدس حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ

الرحمۃ نے علماء مالکیہ سے تحقیق کے بعد کتاب ''الحیلۃ الناجزۃ'' مرتب فرمائی، آپ نے بھی ملاحظہ فرمایا ہوگا حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے زوجہ مفقود کے سلسلہ میں جو تحریر فرمایا ہے اس کا لب لباب اور خلاصہ ایک سوال کے جواب میں فتاویٰ رحیمیہ ص ۱۳۰، ۱۳۱، ج ۲ پر طبع ہوا ہے، وہ ملاحظہ فرمائیں (اور پوری تفصیل کے لئے حیلۃ ناجزہ کا مطالعہ کیا جائے)

خلاصہ یہ کہ اگر عورت کا خاوند لاپتہ ہو جائے اور یہ بھی معلوم نہ ہو کہ زندہ ہے یا مر گیا اور عورت نفقہ اور لباس سے عاجز ہو یا عفت کے ساتھ زندگی گزارنا دشوار ہو تو ایسی مجبوری کی صورت میں عورت اپنا مقدمہ شرعی قاضی کی عدالت میں دائر کرے، جہاں شرعی قاضی نہ ہو اور مسلم جج کو گورنمنٹ نے اس جیسے مقدمہ کا شرعی فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہو تو اس مسلم جج کے یہاں مقدمہ دائر کرے یا دیندار مسلمانوں کی پنچایت میں (جو شرعی قانون کے مطابق فیصلہ کر سکے) اپنا مقدمہ پیش کر کے جدائی کا مطالبہ کرے تو قاضی وغیرہ معاملہ کی تحقیق و تفتیش کر کے عورت کو مزید چار برس انتظار کرنے کا حکم دیں، چار برس بعد پھر عورت کے مطالبے پر شوہر کی وفات کا حکم صادر کر کے وفات کی عدت گزار کر نکاح کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں، اگر عورت مدت دراز تک صبر کر کے عاجز و تنگ آگئی ہو اور مزید چار برس صبر نہ کر سکتی ہو اور فتنہ میں مبتلا ہونے کا نہایت قوی اندیشہ ہو تو ایسے خطرناک موقع پر مالکی مذہب کے مطابق فقط ایک برس انتظار کرا کر جدائی کر کے عدت طلاق گزار کر قاضی وغیرہ نکاح کی اجازت دے سکتے ہیں۔ (حیلہ ناجزہ) (فتاویٰ رحیمیہ: ج ۲، ص ۱۳۰، ۱۳۱)

اس خلاصہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی طرف سے مرافعہ کے بعد قاضی یا شرعی پنچایت کے ارکان مفقود کے سلسلے میں تحقیق و تفتیش کے بعد عورت کو چار برس یا بوقت ضرورت شدیدہ ایک برس انتظار کا حکم دیں، مرافعہ سے پہلے عورت نے چاہے جتنی مدت انتظار کیا ہو اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ الحیلۃ الناجزہ کی عبارت ملاحظہ ہو ''جواب

سوال دوم، حاکم جو چار سال کی مدت انتظار کے لئے مقرر کرے گا اس کی ابتداء اس وقت سے کی جائے گی جس وقت حاکم خود بھی تفتیش کر کے پتہ چلنے سے مایوس ہو جائے اور قاضی کی عدالت میں پہنچے اور اس کی تفتیش سے قبل خواہ کتنی ہی مدت گذر چکی ہو اس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔

"کما فی اوّل الفتویٰ من العلامة سعید بن صدیق المالکی ویؤیدہ باوضح وجه ما فی الروایة العشرین من العلامة الموصوف." (الحیلة الناجزة. ص۵۳، ۵۴)

مندرجہ بالا خلاصہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ چار برس انتظار کے بعد عورت کے مطالبہ پر جب قاضی یا شرعی پنچایت کے ارکان حکم بالموت کا فیصلہ کریں تو اس کے بعد عورت کو عدت وفات چار مہینے دس دن گزارنا ضروری ہے اور اگر ایک برس انتظار کرنے کے بعد عورت کے مطالبہ پر قاضی یا شرعی پنچایت کے ارکان نے تفریق کی ہو تو عدت طلاق یعنی تین حیض گزارنا ضروری ہیں، اس کے بعد ہی وہ دوسرا نکاح کر سکے گی۔

"الحیلة الناجزة" کی عبارت ملاحظہ ہو، عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم کرے، پھر اگر ان چار سال کے اندر بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو مفقود کو اس چار سال کی مدت ختم ہونے پر مردہ تصور کیا جائے گا اور نیز چار سال ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات گزار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا۔

(الحیلة الناجزة. ص۵۲ تحت جواب سوال)

ایک سال انتظار کے بعد قاضی یا شرعی پنچایت کے ارکان نے تفریق کی ہو تو اس کے متعلق "الحیلة الناجزة" میں ہے۔ "تتمة الفائدة" اگر تفریق اس قاعدہ کے مطابق کی جائے تو اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ تفریق طلاق رجعی ہوگی اور اس صورت میں زوجہ مفقود کو بجائے عدت وفات کے عدت طلاق تین حیض گزارنا ہوں گے۔ (الحیلة الناجزہ. ص۶۲)

صورت مسئولہ میں قاضی صاحب نے مرافعہ کے بعد صرف ایک ماہ میں نکاح فسخ کر دیا، یہ صحیح نہیں ہے، اسی طرح فسخ نکاح کے ایک ماہ پانچ دن کے بعد نکاح ثانی ہو گیا، یہ بھی غلط ہے، اور قاضی صاحب سے جو دعویٰ کیا ہے کہ ''یہاں فتویٰ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر دیا جاتا ہے، آٹھ سال انتظار کر چکی ہے، اس لئے دوبارہ تاجیل چہار سالہ اور بعد فسخ نکاح عدت گزارنا ضروری نہیں ہے۔ یہ غلط ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے خلاف ہے، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک الحیلۃ الناجزہ میں دیکھا جا سکتا ہے، لہٰذا قاضی صاحب کا دعویٰ قبول نہیں کیا جا سکتا، آپ نے جو جواب دیا ہے وہ صحیح ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ۔ ج۸، ص۲۲ تا ۲۱۹)

خلاصہ یہ ہے کہ ضرورتِ شدیدہ کی حالت میں مذہب مالکی کے مطابق فتویٰ دیا جا سکتا ہے۔

⑬ مفقود الخبر شخص کی بیوی کے پاس اگر نفقہ اور گذارے کے لئے کچھ نہ ہو، نہ شوہر نے چھوڑا ہو اور نہ کسی عزیز و قریب اور نہ حکومت کے تکفل سے کوئی انتظام ہو تو اس صورت میں ایک ماہ صبر کر کے پھر قاضی کے ہاں فسخ نکاح کا دعویٰ پیش کرے۔ چنانچہ احسن الفتاویٰ میں ہے:

اور اگر اس (عورت) کے پاس نفقہ اور گذارے کا کوئی انتظام نہ ہو، نہ شوہر کے مال سے نہ کسی عزیز و قریب یا حکومت کے تکفل سے اور خود بھی محنت و مزدوری پردہ اور عفت کے ساتھ کر کے اپنا گذارا نہیں کر سکتی تو جب تک صبر کر سکے شوہر کا انتظار کرے جس کی مدت ایک ماہ سے کم نہ ہو، اس کے بعد قاضی یا کسی مسلمان حاکم مجاز کی عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کرے ...... نیچے حاشیہ میں ہے ...... پیچھے علامہ الفاہاشم کی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ عدم نفقہ کی صورت میں ایک ماہ اور خشیت زنا کی صورت میں ایک سال کا انتظار حاکم کے فیصلے سے پہلے کافی ہے، خواہ مرافعہ سے پہلے اتنی مدت گزری یا نہیں مگر مذہب مالکی کو اختیار کرنے کے لئے جنس ضرورت کا

تحقق شرط ہے، اس کو متیقن کرنے کے لئے ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس مدت میں اضافہ کردینا قرین احتیاط ہے، چنانچہ یہاں یہ ایک ماہ یا ایک سال کی مدت قبل المرافعہ مقرر کی گئی ہے تاکہ مقدمہ کی کارروائی کی مدت اس کے علاوہ ہو البتہ اگر حاکم کے فیصلہ تک بھی اتنی مدت گزر گئی تو فتویٰ جواز کا دیا جائے گا۔ (احسن الفتاویٰ۔ ج ۵، ص ۴۲۲)

(۴) اب اس فصل کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاضی عورت کو دوسرے نکاح کی اجازت بھی دیدے اور وہ نکاح بھی کر لے پھر مفقود الخبر شخص واپس آ جائے تو اب اس بیوی کا کیا حکم ہوگا؟

اکثر فقہاء کرام اور اہل علم کی رائے یہ ہے کہ اب وہ عورت اس مفقود الخبر شخص کی بیوی متصور ہوگی البتہ قاضی اسے اختیار دے گا کہ یا تو بیوی کو واپس اپنے پاس رکھ لے یا جو مہر تم نے ادا کیا تھا وہ مہر واپس لے، ابن ابی لیلیٰ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک فیصلہ اسی طرح نقل کیا ہے۔ چنانچہ فتح القدیر میں ہے:

”وذكر أن عمر رضى الله عنه رجع الى قول علي رضى الله تعالىٰ عنه ذكره ابن ابى ليلىٰ قال ثلاث قضيات رجع فيها عمر الى قول علي امرأة المفقود وامرأة أبى كنف و المرأة التى تزوجت فى عدتها وقولنا فى الثلاث قول علي رضى الله تعالىٰ عنه فامرأة المفقود عرفت واما امرأة ابى كنف فكان ابو كنف طلقها ثم راجعها ولم يعلمها حتى غاب ثم قدم فوجدها قد تزوجت فاتى عمر رضى الله تعالىٰ عنه فقص عليه القصه فقال له ان لم يكن دخل بها فأنت احق بها وان كان دخل بها فليس لك عليها سبيل .... ثم رجع الى قول علي ان مراجعتها اياها صحيح وهى منكوحته دخل بها الثانى ام

لا .... وكان مذهبه فيها اذا اتى زوجها حيا يخيره بين أن ترد عليه وبين المهر. وقد صحح رجوعه الى قول علي رضي الله تعالىٰ عنه وهو ان يفرق بينها وبين الثاني ولها المهر عليه بما استحل من فرجها وترد الى الاوّل ولا يقربها حتى تنقضي عدتها من ذلك."

(فتح القدير. ج٥، ص٣٧٢، مكتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اور اسی طرح سعید بن میسیّبؒ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی بھی یہی رائے نقل کی ہے، اس کے علاوہ شعبی، ابراہیم نخعی اور حضرت عبداللہ بن زبیر سے بھی منقول ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ، ج۴، ص۲۳۸، بیروت)

اسی طرح علامہ شمس الدین السرخسی نے مبسوط میں لکھا ہے:

"وقدصح رجوعه عنه الى قول علي رضي اللّٰه تعالىٰ عنه فانه كان يقول ترد الى زوجها الاوّل ويفرق بينها وبين الآخر ولها المهر بما استحل من فرجها ولا يقربها الاوّل حتى تنقضي عدتها من الآخر وبهذا كان ياخذ ابراهيم رحمه اللّٰه فيقول قول علي رضي اللّٰه تعالىٰ عنه أحب الى من قول عمرو به ناخذ ايضًا."

(المبسوط للسرخسي، ج١١، ص٣٧، بيروت)

اسی طرح الشیخ سعد محمد سعید الصاغرجی نے اپنی کتاب "الفقه الحنفي" میں لکھا ہے:

"فزوجة المفقود اذا قدم، وقد تزوجت امرأته هي امرأته، ان شاء طلق، وان شاء أمسك، ولا تخير، ولها الصداق بما استحل من فرجها، ونكاح الثاني باطل."

(الفقه الحنفي وأدلته. ج٢، ص١٨٣، اداره القرآن)

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بھی یہی رائے ہے، اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی صحیح تر قول یہی ہے۔

⑤ غائب غیر مفقود کا حکم: جو شخص بالکل لاپتہ نہ ہو لیکن آتا نہ ہو غائب رہتا ہو تو اس کا کیا حکم ہوگا؟

نفقہ ادا نہ کرنے اور جنسی حق سے محروم رکھنے کی وجہ سے عورت کے مطالبہ پر قاضی اس کا نکاح فسخ کرسکتا ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تو اگر اس کا پتہ ہو خطوط بھی آتے ہوں لیکن نفقہ نہ دیتا ہو یا نفقہ بھی ادا کرتا ہو لیکن گھر نہ آکر قصداً عورت کو تکلیف دیتا ہو اور اس کو صنفی تقاضوں سے محروم رکھتا ہو تو بھی قاضی اس کا نکاح فسخ کرسکتا ہے۔

”وان کانت غیبته غیر منقطعة یعرف خبره ویاتی کتابه فلیس لامرائة ان تتزوج الا ان یتعذر الانفاق علیها من ماله فلها الفسخ لا بتعذر الوطأ اذا لم یقصد بغیبته الا ضرار بترکه فان قصده فلها الفسخ به اذا کان سفره اکثر من اربعة اشهر.“ (الاقناع: ج۴، ص۱۱۳)

جب اس صورت میں فسخ نکاح کی گنجائش ہے جبکہ شوہر کا پتہ بھی ہو تو اگر اس کا پتہ ہی نہ ہو اور وہ بھاگا رہتا ہو تو عورت کو اس کے ظلم اور اس کی طرف سے پہنچنے والے ”ضرر“ سے بچانے کے لئے ”فسخ نکاح“ بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

مفقود الخبر کے بارے میں امام مالک کا مسلک

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مفقود الخبر کی چار قسمیں ہیں:

① اسلامی حکومت میں مفقود الخبر ہو۔

② کفار کے ساتھ جنگ میں مفقود الخبر ہو۔

③ کفار کے ملک میں جا کر مفقود الخبر ہو۔

④ مسلمانوں کے ساتھ باہم جنگ میں مفقود الخبر ہو۔

اسلامی حکومت میں مفقود الخبر کے لئے چار سال کا مذکورہ بالا حکم ہے، جبکہ کفار کے ساتھ جنگ میں مفقود الخبر ہونے کی صورت میں مالکی فقہاء کے چار اقوال ہیں:

① اس کا حکم قیدی کے مانند ہے تاوقتیکہ اس کی موت کا یقینی علم نہ ہو جائے وہ عورت اس مرد کے عقد میں رہے گی۔

② وہ شخص مقتول کے حکم میں ہے زوجہ ایک سال کے انتظار کے بعد دوسرا عقد کر سکے گی۔

③ بغیر انتظار نکاح ثانی کر سکتی ہے۔

④ زوجہ کے حق میں مقتول کا حکم دیا جائیگا اور مال کے بارے میں اسلامی حکومت میں مفقود کے حکم میں ہوگا

اگر مسلمانوں کے ساتھ باہمی جنگ میں مفقود الخبر ہو تو پھر اس سلسلے میں فقہاء مالکیہ کے دو قول ہیں:

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عورت انتظار کے بغیر عدت گذارے دوسرا نکاح کرلے اور بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ ایک سال تک انتظار کیا جائے گا۔ فقہاء مالکیہ کے درمیان اس سلسلے میں بھی متعدد نقطہ ہائے نظر سامنے آئے ہیں کہ چار سال کی مدت کب سے شمار ہوگی۔ ایک روایت کے مطابق اگر حاکم عدالت شوہر کی مفقود الخبری کی تصدیق کرے تو اس وقت سے مدت شمار ہوگی اور عدالت فیصلہ کرلے گی۔

بعض حضرات کے ہاں اس وقت سے شمار ہوگی جب سے وہ مفقود ہوا ہے۔

لیکن اب ایک ایسی عورت ہے کہ وہ چار سال کا انتظار نہیں کر سکتی ہے تو اب اس کے لئے کیا کیا جائے گا؟

اس سلسلے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے "الحیلۃ الناجزۃ"

میں لکھا ہے: زوجہ مفقود کے لئے چار سال کے مزید انتظار کا حکم اس صورت میں تو بالاتفاق ضروری ہے جبکہ زوجہ صبر کر سکے اور اتنی مدت عفت کے ساتھ گذار سکے لیکن اگر یہ صورت ممکن نہ ہو تو کم از کم ایک سال صبر کے بعد تفریق جائز ہے، جہاں قرائن قویہ سے اندیشہ قوی ابتلاء یا خوف زنا ہو تو ایک سال کے قول پر حاکم کو فیصلہ کرنے کی گنجائش ہے۔ (الحیلۃ الناجزہ۔ ج ۱۱۰)

مختلف اسلامی ممالک میں شوہر کے غائب ہونے کی بناء پر تفریق کا قانون

مصر

دفعہ نمبر ۱۲: شوہر ایک سال یا اس سے زائد مدت بلا عذر معقول غائب ہو تو زوجہ کے لئے یہ امر جائز ہوگا کہ وہ قاضی کے روبرو طلاق بائن کی درخواست پیش کرے جبکہ شوہر کے غائب ہونے سے اس کو ضرر پہنچا ہو خواہ مال اس کے اخراجات کی کفالت کے لئے موجود ہو۔

دفعہ نمبر ۱۳: غائب شوہر کو مراسلات روانہ کرنا ممکن ہو تو قاضی اسے نوٹس جاری کرے اور مہلت دے کہ یا طلاق دے یا واپس آئے یا عورت کو بلائے نوٹس کے بعد مدت مہلت ختم ہو جائے اور شوہر کچھ نہ کرے تو قاضی کو تفریق کا حق ہوگا لیکن شوہر کا کوئی ایسا عذر جو مقبول ہو تو اس صورت میں تفریق نہیں کرائی جائے گی اگر مراسلات بھیجنا ممکن نہ ہو تو قاضی بلا نوٹس تفریق کرا سکتا ہے۔ (دیکھئے قانونِ مصر نمبر ۲۵، بابت ۱۹۲۹ء)

عراق

شوہر دو سال یا اس سے زیادہ مدت سے بلا عذر جائے اور جائے قیام معروف ہو تو عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ عدالت سے بربنائے ضرر تفریق کی درخواست

کرے۔ (دیکھئے قانون الاحوال الشخصیہ۔عراق)

اردن کے قانون کے دفعات ۸۹ اور ۹۰ کے تحت جو احکام اس سلسلے میں بیان ہوئے ہیں وہ مصری قانون کے مطابق ہے۔ (قانون: حقوق العاملۃ الاردنی)

تجزیہ

اس ضمن میں بلاد اسلامیہ میں جو قوانین رائج ہیں ان میں یہ فرق ہے کہ عراق میں شوہر کے غائب ہونے کی مدت کم از کم دو سال ہے، جبکہ مصر، مراکش اور اردن میں ایک سال کی مدت کافی ہے، اس سلسلے میں صحیح ترجیحات یہ ہے کہ عورت کو ویسے چار سال کے انتظار کا حکم دیا جائے جبکہ عورت یہ مدت انتظار عفت و پاکدامنی کے ساتھ گزار سکے، اگر اس طرح نہیں گذار سکتی تو پھر ایک سال کے بعد حاکم تفریق کرا دے جیسے کہ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الحیلۃ الناجزہ'' میں اس مسئلے کو صفحہ ۱۱۰ پر تفصیلاً ذکر کیا ہے کہ اگر عورت کے عفت و پاکدامنی کا خطرہ ہو اور زنا کا خوف ہو تو ایک سال کی مدت کے بعد حاکم عدالت تفریق کا حکم دے سکتا ہے۔

پاکستان میں رائج قانون

پاکستان میں ازروئے دفعہ ۲ (۱) قانون انفساخ ازدواج مسلمانان مجریہ ۱۹۳۹ء شوہر کے چار سال سے مفقود الخبر ہونے کی صورت میں زوجہ کو بذریعہ عدالت تفریق کا حکم دیا گیا ہے لیکن عدالت کے حکم کے نفاذ کو چھ ماہ کی مدت پر موقوف رکھا گیا ہے، اگر چھ ماہ کی مدت میں شوہر واپس آجائے اور حقوقِ زوجیت ادا کرنے پر قادر ہو تو عدالت کی ڈگری مؤثر نہیں ہوگی۔

تجویز

ہمارے مقننین نے رائج الوقت قانون میں چار سال کی مدت بظاہر فقہ مالکی

سے لی ہے لیکن فی الحقیقت ان سے مالکی مذہب سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے کیونکہ رائج الوقت قانون میں چار سال کی مدت دعویٰ دائر کرنے کے وقت گذرنا شرط ہے یا کم از کم فیصلے کے وقت چار سال کا گذرنا شرط ہے جبکہ مالکی مذہب کے راجح قول کے مطابق دعویٰ دائر کرنے سے قبل جتنی مدت گزر چکی ہو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلوں سے ظاہر ہے۔ اسی طرح رائج الوقت میں بھی یہ ہے کہ فیصلے کی تاریخ سے چھ ماہ تک فسخ نکاح کی ڈگری مؤثر نہیں ہوگی، چھ ماہ تک عدالتی حکم کو موقوف رکھنے کی تائید میں بندہ کو کوئی قول کتب فقہ میں نہیں مل سکا۔ بظاہر ڈگری کے نافذ قرار دیئے جانے کے لئے جو چھ ماہ کی مدت متعین کی گئی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر چھ ماہ تک شوہر نہ آئے تو ڈگری مؤثر ہوگی یا شوہر آئے لیکن حقوق زوجیت ادا کرنے پر آمادہ نہ ہو تب بھی یہ ڈگری مؤثر ہوگی یعنی تفریق کر دی جائے گی لیکن اب ایک صورت اس قانون کے تحت یہ ہے کہ اگر عورت عدت گزار رہی ہے اور شوہر دورانِ عدت آجائے تو پھر اس کی کیا صورت ہوگی۔ کیونکہ موجودہ قانون میں اس بات کی صراحت نہیں کی گئی ہے کہ تفریق کا حکم طلاق بائن کا ہوگا یا طلاق رجعی کا۔ اس لئے اس نافذ العمل قانون کے تحت اس صورت کا کوئی حل اس قانون میں نہیں ہے۔ اس لئے قوانین عدالت کو سمجھنے والے اور ان کو جاننے والے حضرات کے لئے یہ ضروری ہے کہ تفریق بسبب مفقود الخبری کے اس نافذ العمل قوانین پر نظر ثانی کرے اور ان قوانین کو شریعت کے مطابق بنائے، ورنہ کل کسی بھی مسئلہ میں یہ قانون ایک عام شخص کے لئے بڑی الجھنیں پیدا کر سکتا ہے۔



باب دوم

بچوں کا نفقہ

اسلام سے قبل عرب میں والدین پر اپنے بچوں کے نفقے کی ذمہ داری نہیں تھی، بالخصوص لڑکیوں کو ایک نحوست شمار کیا جاتا تھا اور انہیں زندہ درگور کیا جاتا تھا لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد اسلام نے والدین کو بچوں کے نفقے کا ذمہ دار قرار دیا چاہے لڑکا ہو یا لڑکی، اسلام جہاں نفس انسانی کی عظمت پر زور دیتا ہے وہاں انسانی جان کے تحفظ کے قواعد اصول وقوانین بھی مرتب کرتا ہے، اسی لئے تو اسلام اہل وعیال کے نفقے کو عبادت قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

"وعلى المولودله رزقهن وكسوتهن بالمعروف"

(سورۃ البقرہ: آیت ۲۳۳)

ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے: "جو کماتا ہے آدمی پاکیزہ کمائی ہاتھ کے عمل سے اور جو خرچ کرتا ہے اپنے نفس پر اور اپنے اہل پر اور اپنی اولاد پر اور اپنے خادموں پر، پس وہ صدقہ ہے۔

(ابن ماجہ، ابواب التجارت۔ ص ۱۵۶، ایچ ایم سعید)

نابالغ اولاد کا نفقہ صرف باپ پر ہوگا اور والد کے ساتھ اس میں کوئی شریک نہیں، جیسے کہ زوجہ کے نفقے میں کوئی شریک نہیں ہوتا۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"ونفقة الاولاد الصغار على الاب لا يشاركه فيها احد كما لا يشاركه فى نفقة الزوجة لقوله تعالىٰ: وعلى المولودلهٗ

رزقهن، والمولودله هو الاب.“(هداية: ج۲، ص۴۲۰، ایچ ایم سعید)

صاحب البنایہ نے مذکورہ بالا ہدایہ کے متن کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

”هذا الذى ذكره ظاهر الرواية وعن ابى حنيفة ان نفقة الولد على الاب والام ثلاثا بحسب ميراثهما وباجماع الائمة الاربعه تجب نفقة الولد الصغير على الاب وقال الطحاوى فى مختصره ويجبر الرجل على نفقة اولاده الصغار اذا كانوا فقراء ذكورا كانوا اواناثا...... الخ.

(البنايه شرح هدايه: ج۲، ص۴۷۹، مطبوعہ فیصل آباد)

اسی طرح عالمگیری میں ہے:

”نفقة الاولاد الصغار على الاب لايشاركه فيها احد كذا فى الجوهرة النيرة.“ (عالمگیریہ: ج۱، ص۵۶۰، بيروت)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”(قوله ولطفله الفقير) أى تجب النفقة والسكنى والكسوة لولده الصغير الفقير لقوله تعالىٰ: وعلى المولودله رزقهن وكسوتهن بالمعروف.“

(البحرالرائق: ج۴، ۲۰۱، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح ”الفقه الحنفى“ میں ہے:

”نفقة الاولاد الصغار على الاب اذا كانوا فقراء لا يشاركه فيها احد.“ (الفقه الحنفى وأدلته: ج۲، ص۲۵۷، ادارة القرآن، کراچی)

اسی طرح صاحب مجمع الانہر نے لکھا ہے:

”ونفقة الطفل الفقير على ابيه لايشاركه احد كنفقة الابوين والزوجة.“ (مجمع الانهر: ج۱، ص۴۹۶، مطبوعہ بیروت)

اگر بچے کا ذاتی مال موجود ہو تو کیا بچے کا نفقہ باپ پر واجب ہے یا نہیں

اگر بچے کا اپنا مال موجود ہو تو پھر اس کا نفقہ اپنے مال سے ہوگا اور نابالغ بچے کا مال ہونے کی صورت یہ ہوگی کہ کسی سے ترکہ میں ملا ہو یا کسی نے ہبہ کیا ہو۔ علم فقہ کی مشہور کتاب ''ذخیرہ'' میں مذکور ہے کہ اگر نابالغ کے پاس زمین یا کپڑے زائد از ضرورت ہوں اور اس کے نفقہ کے واسطے ان کی ضرورت پڑے تو باپ بحیثیت ولی کے ان کو بیچ سکتا ہے کہ ان کو بیچ کر نفقے میں خرچ کرے چنانچہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:

''انما تجب النفقة علی الاب اذا لم یکن للصغیر مال اما اذا کان فالاصل ان نفقة الانسان فی مال نفسه صغیرا کان او کبیرا.'' (ھدایة: ج۲، ص۴۲۲، مطبوعہ ایچ ایم سعید)

اسی طرح صاحب فتح القدیر نے مذکورہ بالا متن ہدایہ کے تحت لکھا ہے:

''واطلقه فعم جمیع اصناف المال من العروض والحیوان والعقار حتی اذا کان له ذلك فقط فللاب أن یبیعه وینفقه علیه.'' (فتح القدیر: ج٤، ص۲۲۰، رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح عالمگیری میں ہے:

''ونفقة الصبی بعد الفطام اذا کان له مال فی ماله هکذا فی المحیط .... وان کان للصغیر عقار أو اردیة أو ثیاب واحتیج الی ذلك للنفقة کان للاب أن یبیع ذلك کله وینفق علیه کذا فی الذخیرة.''

(عالمگیریہ: ج۱، ص٥٦٢، بیروت)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے البحر الرائق میں لکھا ہے:

”وقید بالفقیر لان الصغیر اذا کان له مال فنفقته فی ماله ...... وان کان للصغیر عقار أو اردیة أو ثیاب واحتیج الی النفقة کان للاب أن یبیع ذلك کله وینفق علیه.“
(البحرالرائق: ج٤، ص٢٠١، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”(والغنی فی ماله الحاضر) یشمل العقار، والاردیة والثیاب، فاذا احتیج الی النفقة کان للاب بیع ذلك کله وینفق علیه لانه غنی بهذه الاشیاء.“
(شامیہ ج٣، ص٦١٢، مطبوعہ ایچ ایم سعید)

اسی طرح ”الفقہ الاسلامی“ میں ہے:

”فاذا کان له مال یکفیه، وجبت نفقته فیه لا علی غیره، واذا کان مکتسبا وجب علیه الاکتساب، فالصغیر المکتسب نفقته فی کسبه، لاعلی ابیه، وعلیه الفتوی فان الولد الموسر بمال أو کسب یستغنی به لانفقة له، لان نفقة القرابة تجب علی سبیل المواسات والبر والموسر مستغن عن المواساة والبر والصله.“
(الفقه الاسلامی: ج١٠، ص٧٤١٢، ٧٤١٣، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

نافرمان اولاد کا نفقہ

اگر بیٹا نافرمان ہو یا ماں کے زیر پرورش ہو تو کیا اس کے نفقے کا ذمہ دار والد ہوگا؟ اس سلسلے میں فقہاء کرام رحمہم اللہ لکھتے ہیں کہ زوجہ میں تو یہ تھا کہ اگر وہ نافرمان یعنی ناشزہ ہو تو اس کے نفقے کا ذمہ دار شوہر نہیں ہوگا لیکن جہاں تک اولاد کا تعلق ہے تو اس میں محض نافرمانی کے طور پر والد اولاد کے نفقہ دینے کی ذمہ داری سے نہیں بچ

سکتا، چنانچہ ازروئے شرع والد پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ بیٹوں کے بالغ ہونے تک اور بیٹیوں کے نکاح ہونے تک حسب استطاعت نفقہ دے البتہ اگر اولاد خود صاحب جائیداد ہو اور ان کی پرورش اس جائیداد سے ہوسکتی ہے تو باپ پر نفقہ کی ذمہ داری نہیں ہوگی۔ چنانچہ صاحب ''فتح القدیر'' لکھتے ہیں:

''(ونفقة الاولاد الصغار على الاب لايشاركه فيها احد) قيد بالصغر فخرج البالغ وليس هذا على الاطلاق بل الاب اما غني أو فقير والاولاد اما صغار أو كبار فا الاقسام اربعة.'' (فتح القدیر: ج٤، ص٢١٧، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح عالمگیری میں ہے:

''نفقة الاولاد الصغار على الاب لايشاركه فيها احد كذا في الجوهرة النيرة.'' (عالمگیریہ، ج۱، ص٥٦٠، بیروت)

اسی طرح ''الفقه الحنفي'' میں ہے:

''نفقة الاولاد الصغار على الاب اذا كانوا فقراء لا يشاركه فيها احد.'' (الفقه الحنفي وأدلته. ج٢، ص٢٥٧، ادارۃ القرآن)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

''تجب النفقة والسكنى والكسوة لولده الصغير الفقير لقوله تعالىٰ: وعلى المولودله رزقهن وكسوتهن بالمعروف.'' (البحر الرائق: ج٤، ص٢٠١، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

باپ مالدار ہے اور بچے بڑے ہیں تو کیا والد پر ان کا نفقہ لازم ہے؟

اسی طرح باپ مالدار ہے اور بیٹے بڑے ہیں چاہے لڑکے ہوں یا لڑکیاں

لڑکیوں کے لئے تو یہ حکم ہوگا کہ شادی کرانے تک ان کا نفقہ والد کے ذمہ ہوگا اور شادی کرانے بعد اگر خدانخواستہ گھریلوی ناچاقی کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے شوہر اسے طلاق دیدے تو عدت گذارنے کے بعد دوبارہ والد پر اس کا نفقہ لازم ہوگا۔

اسی طرح بڑے لڑکے موجود ہوں اور والدین مالدار ہوں تو اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ آیا وہ بڑے لڑکے کام کرنے سے عاجز تو نہیں اگر عاجز ہیں مثلاً اندھے ہیں یا مجنون ہیں یا اس طرح بیمار ہیں کہ کام نہیں کر سکتے تو ان کا نفقہ والد پر لازم ہے، البتہ اگر وہ صحیح وتندرست ہیں لیکن وہ کماتے نہیں ہیں تو والد اگر چاہے تو ان کا نفقہ ادا کرے، چاہے تو نہ ادا کرے، والد پر لازم اور ضروری نہیں اور نہ والد شرعاً مجرم ہے، اسی طرح ایسے بچے جو طلب علم میں مصروف ہوں اور حصولِ علم کے لئے سرگرداں ہوں تو آیا اب ان طالب علم بچوں کا نفقہ والدین پر لازم ہوگا یا نہیں؟ اگر وہ اور کوئی کام اس کے ساتھ نہیں کر سکتے تو نفقہ والدین ہی پر ہوگا۔ چنانچہ فقہاء کرام رحمہم اللہ لکھتے ہیں:

"الاوّل ان یکون الاب غنیا والاولاد کبارا، فاما اناث او ذکور فالاناث علیه نفقتهن الی ان یتزوجن اذا لم یکن لهن مال ولیس له ان یؤاجرهن فی عمل ولاخدمة وان کان لهن قدرة واذا طلقت وانقضت عدتها عادت نفقتها علی الاب والذکور اما عاجزون عن الکسب لزمانة أو عمی أو شلل أو ذهاب عقل فعلیه نفقتهم وکذا اذا کان من ابناء الکرام لا یجد من یستاجره فهو عاجز وکذا طلبة العلم اذا کانوا لا یهتدون الی الکسب نفقتهم علی اٰبائهم." (فتح القدیر. ج٤، ص۲۱۷، رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح صاحب "فتح القدیر" لکھتے ہیں:

"اما الکبار فعلی الظاهر کما سیاتی وان لم یکونوا عاجزین لانفقة لهم." (فتح القدیر. ج٤؛ ص٢١٧، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح عالمگیریہ میں ہے:

"وقال الامام الحلوانی اذا کان الابن من ابناء الکرام ولا یستاجره الناس فهو عاجز وکذا طلبة العلم اذا کانوا عاجزین عن الکسب لایهتدون الیه لا تسقط نفقتهم عن آبائهم اذا کانوا مشتغلین بالعلوم الشرعیة لا فی الخلافیات الرکیکة وهذیان الفلاسفه ولهم رشد والا لاتجب کذا فی الوجیز للکردری، ونفقة الاناث واجبة مطلقا علی الآباء مالم یتزوجن اذا لم یکن لهن مال کذا فی الخلاصة، ولا یجب علی الاب نفقة الذکور الکبار الا ان یکون الولد عاجزا عن الکسب لزمانة او مرض، ومن یقدر علی العمل لکن لایحسن العمل فهو بمنزلة العاجز کذا فی فتاوی قاضی خان .... الرجل البالغ ان کان زمنا أو مقعدا أو أشل الیدین لا ینتفع بهما أو معتوها أو مفلوجا فان کان له مال تجب النفقة فی ماله وان لم یکن له مال وکان له اب موسر وأم موسرة تجب النفقة علی الاب." (هندیة: ج١، ص٥٦٣، بیروت)

اسی طرح علامہ شمس الدین السرخسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"کذلك فی الکبار اذا کن اناثا لان النساء عاجزات عن الکسب واستحقاق النفقة لعجز المنفق علیه عن کسبه وان کانوا ذکورا بالغین لم یجبر الاب علی الانفاق

علیهم لقدرتهم علی الکسب الا من کان منهم زمنا أو اعمی أو مقعدا أو اشل الیدین لا ینتفع بهما أو مفلوجا او معتوها فحینئذ تجب النفقة علی الوالد لعجز المنفق علیه عن الکسب وهذا اذا لم یکن للولد مال فاذا کان للولد مال فنفقته فی ماله لانه موسر غیر محتاج."

(مبسوط للسرخسی، ج۵، ص۲۲۳، بیروت)

کتابی بچے کا نفقہ

اسی طرح اگر والد اور بچے کا دین الگ الگ ہے تو اس صورت میں بھی والد پر اولاد کا نفقہ واجب ہوگا جیسے کہ والد اگر مسلمان ہے اور بچہ کتابی تو والد پر اس کا نفقہ لازم ہوگا یا زوجہ کتابیہ کا نفقہ شوہر پر لازم ہوتا ہے یا بچہ اسلام قبول کر لے اور اسلام کے دامن سے وابستہ ہوجائے اور والد کافر ہو یا بچہ مسلمان ہے اور والد ارتداد اختیار کرے تو اس صورت میں بھی بچے کا نفقہ والد پر واجب ہوگا۔ چنانچہ علامہ مرغینانی رحمہ اللہ اپنی کتاب "ہدایہ" میں لکھتے ہیں:

"ونفقة الصغیر واجبة علی ابیه وان خالفه فی دینه کما تجب نفقة الزوجة علی الزوج وان خالفته فی دینه اما الولد فلاطلاق ما تلونا وعلی المولودله رزقهن وکسوتهن بالمعروف الآیة ولانه جزؤه فیکون فی معنی نفسه واما الزوجة فلان السبب هو العقد الصحیح فانه بازاء الاحتباس الثابت به وقد صح العقد بین المسلم والکافرة ای الکتابیة وترتب علیه الاحتباس فوجبت النفقة وفی جمیع ماذکرنا انما تجب النفقة علی الأب

اذا لم یکن للصغیر مال اما اذا کان فالاصل ان نفقة الانسان فی مال نفسه صغیرا کان او کبیرًا۔"

(ھدایہ: ج۲، ص۴۲۱، ایچ ایم سعید)

اسی طرح صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

"(ونفقة الصغیر واجبة علی ابیه وان خالفه فی دینه کما تجب نفقة الزوجة علی الزوج وان خالفته فی دینه) بان اسلم الا بن بنفسه والاب کافر أو علی العکس لما ان اسلام الصبی العاقل وارتداده صحیح."

(فتح القدیر: ج٤، ص۲۱۹، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح صاحب فتح المعین اپنی کتاب میں رقم طراز ہیں:

"(ولا نفقة مع اختلاف الدین الا بالزوجیة والولاد) ای الابوان والاجداد والجدات والاولاد وأولاد الا ولاد و صورته ان یتزوج ذمی ذمیة فولدت ولدا ثم اسلمت فالولد یتبعها فی الاسلام."

(فتح المعین: ج۲، ص۲٤۸، مطبوعہ ملتان)

اسی طرح عالمگیری میں ہے:

"ویجبر الکافر علی نفقة ولده المسلم وکذا المسلم علی نفقة ولده الکافر الزمن کذا فی فتاویٰ قاضی خان."

(عالمگیری، ج۱، ص٥٦۲، مطبوعہ بیروت)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"(ولا تجب مع اختلاف الدین الا بالزوجیة والولاد) اما الزوجیة فلما ذکرنا .... واما غیرها فلان الجزئیة ثابتة وجزء المرء فی معنی نفسه فکما لاتمتنع نفسه

بكفره لا تمتنع نفقة جزئه .... اطلق فی الولاد فشمل الابوين والاجداد والجدات والولد و ولد الولد.“

(البحر الرائق: ج٤، ص٢٠٨، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح ”الفقه الاسلامی وأدلته“ میں ہے:

”ولم يشترط الجمهور غير الحنابله اتحاد الدين لنفقة الاولاد لقوله تعالٰى (وعلى المولودله رزقهن وكسوتهن بالمعروف) (البقرة ٢/٢٣٣) وهو يدل على ان الولادة سبب لايجاب نفقة الاولاد على ابيهم والولادة ثابتة سواء مع اتحاد الدين أو اختلافه، ولان النفقة وسيلة الحياة والحياة مطلوبة ولو مع الكفر، لان المال لا اهمية له في الحقيقة، والله تعالٰى يرزق المؤمن والكافر على السواء.“ (الفقه الاسلامی وأدلته. ج١٠، ص٧٤١٥، مطبوعہ کوئٹہ)

گذشتہ دنوں کا نفقہ

اب ایک صورت یہ ہے کہ والد بچے کا نفقہ ادا نہیں کرتا ہے تو مسئلہ قاضی کی عدالت میں پہنچا قاضی عدالت نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ بچوں کا نفقہ والدین کا نفقہ اور قریب رشتہ داروں کا نفقہ متعین کر کے ادائیگی کا حکم دے دیا لیکن جب فیصلہ ہوگیا تو کچھ دنوں تک تو وہ شخص قاضی عدالت کے فیصلے کو سرخم تسلیم کرتے ہوئے نفقہ دیتا رہا لیکن اچانک اس نے پھر نفقہ دینا بند کردیا، تین ماہ چار ماہ یا کچھ عرصہ اس درمیان میں ہوگیا تو اب جس عرصے سے اس نے نفقہ ادا نہیں کیا اس مدت کا نفقہ ساقط ہوجائے گا کیونکہ فرزند، والدین یا قرابت داروں کا نفقہ تکمیل ضرورت کے واسطے واجب ہوتا ہے چنانچہ اگر بالفرض یہ لوگ خوشحال ہوں تو نفقہ واجب نہیں ہوتا لہٰذا مدت گزرنے سے وہ

نفقہ ساقط ہو گیا۔

جہاں تک زوجہ کے نفقے کا تعلق ہے بالخصوص جب قاضی نے فیصلہ کیا ہو تو ساقط نہیں ہوگا کیونکہ شوہر پر بیوی کا نفقہ ہر حال میں واجب ہے، چاہے وہ خوشحال ہو یا غریب ہو، دونوں صورتوں میں نفقہ شوہر پر واجب ہوگا کیونکہ زوجہ کا نفقہ دراصل معاوضہ ہے حبس کا، جب کہ اولاد اور دیگر اعزہ واقارب رشتہ داروں کا نفقہ بربنائے احسان واجب ہوتا ہے نہ کہ بربنائے حبس۔ چنانچہ علامہ فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی الحنفی اپنی کتاب ''تبیین الحقائق'' میں لکھتے ہیں:

''(ولو قضى بنفقة الولاد والقريب ومضت مدة سقطت) لان نفقة هؤلاء باعتبار الحاجة وقد وقعت الغنية عن الماضى بخلاف نفقة الزوجة لانها للاحتباس ولهٰذا تجب مع يسارها فلا تسقط بالاستغناء بمضى الزمان لما فيه من معنى المعاوضه.''

(تبیین الحقائق: ج ۳، ص ٦٥، مطبوعہ حقانیہ ملتان)

اسی طرح امام قدوری اپنی کتاب مختصر القدوری میں رقم طراز ہیں:

''واذا قضى القاضى للولد والوالدين ولذوى الارحام بالنفقة فمضت مدة سقطت.''

(مختصر القدوری، ص ١٦٧، مطبوعہ، میر محمد کتب خانہ آرام باغ، کراچی)

اسی طرح عالمگیری میں ہے:

''ولو فرض القاضى النفقة على الاب فلم تستدين الام واكل الولد بمسئلة الناس لا ترجع على الاب بشئى وان حصل له بمسئلة الناس نصف الكفاية يسقط نصف النفقة عن الاب وتصح الاستدانة بالنصف الباقى، وكذا

إذا فرضت عليه نفقة المحارم فأكلوا من مسئلة الناس لا يرجع على الذى فرضت عليه النفقة بشيء كذا في فتاوى قاضي خان." (هندية: ج۱، ص٥٦٢، مطبوعہ بیروت)

اسی طرح "الفقہ الاسلامی" میں ہے:

"وتسقط نفقة الولد عند الفقهاء بمضى الزمن من غير قبض ولا استدانة لانها وجبت على الوالد لدفع الحاجة، وقد زالت الحاجة لما مضى، فسقطت بخلاف نفقة الزوجة لا تسقط بمضى الزمان عند غير الحنفية، ولا تسقط عند الحنفية بعد القضاء بها أو التراضى عليها، وانما تسقط بمضى الزمان قبل القضاء او التراضى."

(الفقه الاسلامی، ج۱۰، ص۷٤١٩، مطبوعہ کوئٹہ)

نفقہ نقد ادا کرنا ہوگا یا اُدھار

اسی طرح باپ پر جس طرح بچوں کا نفقہ واجب ہے چاہے وہ نقد کی صورت میں دے یا وہ ضروریاتِ لباس، خوراک اور رہائش کا بندوبست کرے، دونوں صورتوں میں نفقہ ادا ہوجاتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ نقد ادا کرے جیسے والد کو سہولت ہو اسی طرح ادا کرے، چاہے وہ نقد کی صورت میں ہو یا لباس خوراک اور رہائش کے بندوبست کی صورت میں ہو، دونوں صورتوں میں نفقہ ادا ہوجائے گا۔

فقہاء کرام رحمہم اللہ نے یہی لکھا ہے کہ اس کے لئے کوئی خاص شکل متعین نہیں ہے بلکہ شریعت نے اجازت دی ہے دونوں صورتوں میں والدین نفقہ ادا کرسکتے ہیں۔

غنی اولاد کا نفقہ

اسی طرح اگر والد غریب ہے اور بچے غنی ہیں، خواہ بڑے ہیں یا چھوٹے نفقہ

والد پر نہیں بلکہ ان کے مال میں سے ان پر خرچ کیا جائے۔

"والثالث أن يكون الأب فقيرا، فان كانوا اغنياء وكبارا قادرين فلا اشكال أن نفقتهم عليهم وان كانوا صغارا اغنياء فكذلك أيضًا."

(فتح القدير. ج٤، ص٢١٧، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح "الفقہ الاسلامی" میں ہے:

"فاذا كان له مال يكفيه وجبت نفقته فيه لاعلى غيره، واذا كان مكتسبا وجب عليه الاكتساب، فالصغير المكتسب نفقته فى كسبه، لا على ابيه وعليه الفتوى فان الولد الموسر بمال أو كسب يستغنى به، لا نفقة له لان نفقة القرابة تجب على سبيل المواساة والبر، والموسر مستغن عن المواساة والبر والصلة."

(الفقه الاسلامى، ج١٠، ص٧٤١٢، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "البحر الرائق" میں لکھتے ہیں:

"قيد بالفقير لان الصغير اذا كان له مال فنفقته فى ماله." (البحرالرائق، ج٤، ص٢٠١، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح عالمگیری میں ہے:

"انما يجب على الاب اذا لم يكن للصغير مال واما اذا كان له مال فتكون مؤنة الرضاع فى مال الصغير كذا فى المحيط." (هنديه: ج١، ص٥٦٠، بيروت)

اسی طرح خاتمۃ المحققین علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"(والغنى فى ماله الحاضر) يشمل العقار والأردية

والثياب فاذا احتيج الى النفقة كان للاب بيع ذلك كله وينفق عليه لانه غنى بهذه الاشياء بحروفتح.“

(ردالمحتار: ج۳، ص۶۱۲، مطبوعہ ایچ ایم سعید)

غنی اولاد کا مال حاضر نہیں

اسی طرح والد غریب ہے اور بچے غنی تو ہیں لیکن ان کا مال حاضر نہیں بلکہ غائب ہے مثلاً کسی کے پاس مال تو ہے لیکن اس وقت موجود نہیں ہے تو والد کو چاہئے کہ قاضی کی اجازت سے ان پر خرچ کرے اور بعد میں جب ان کا مال آجائے تو والد ان کے مال میں سے اپنے پیسے وصول کرلے جو اس نے ان کے نفقے میں خرچ کئے تھے۔ چنانچہ صاحب فتح القدیر نے لکھا ہے:

”وان كان غائبا وجبت على الأب فان أراد ان يرجع فى مالهم ينفق باذن القاضى فى ذلك فلو انفق بلاأمره ليس له الرجوع فى الحكم الا ان يكون اشهد انه انفق ليرجع.“ (فتح القدير. ج٤، ص٢١٧، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح عالمگیری میں ہے:

”وان كان مال الصغير غائبًا أمر الاب بالانفاق عليه ويرجع فى ماله فان أنفق عليه بغير امره لم يرجع الا ان يكون أشهد أنه يرجع ويسعه فيما بينه وبين اللّٰه تعالىٰ ان يرجع وان لم يشهد اذا كانت نيته يوم دفع أنه يرجع واما فى القضاء فلا يرجع الا ان يشهد كذا فى السراج الوهاج.“ (عالمگیری: ج۱، ص۵۶۲، بیروت)

اسی طرح البحر الرائق میں علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ قمطراز ہیں:

”وان كان مال الصغير غائبا وجبت على الاب فاذا اراد الرجوع انفق عليه باذن القاضى فلو أنفق بلا أمره ليس له الرجوع فى الحكم الا أن يكون أشهد أنه انفق ليرجع ولو لم يشهد لكنه انفق بنية الرجوع لم يكن له رجوع فى الحكم وفيما بينه وبين اللّٰه تعالىٰ يحل له الرجوع.“ (البحر الرائق: ج٤، ص٢٠١، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”(فلو غائبا) أى فلو كان للولد مال لكنه غائب فنفقته على الاب الى ان يحضر ماله .... (قوله ان اشهد) اى على أنه ينفق عليه ليرجع، وكالاشهاد الانفاق باذن القاضى كما فى البحر (قوله لا ان نوى) أى لا يرجع إن نوى الرجوع بلا اشهاد ولا اذن قاض: أى لا يصدق فى القضاء أنه نوى ذلك: وانما يثبت له الرجوع فيما بينه وبين ربه تعالىٰ.“ (ردالمحتار: ج٣، ص٦١٢، ایچ ایم سعید)

باپ کی عدم استطاعت کی صورت میں کون نفقہ ادا کرے

اسی طرح باپ کے مفلس ہونے کی صورت میں اولاد کے نفقے کی ذمہ داری جبکہ خود اولاد کی کوئی جائیداد موجود نہ ہو بچوں کی ماں پر ہوگی اور ماں کے مفلس ہونے کی صورت میں دادا کو منتقل ہو جاتی ہے یعنی اگر والد غریب ہے تو والدہ پر لازم ہے کہ بچے کا نفقہ ادا کرے اگر والدہ بھی مفلس ہے تو پھر دادا کو چاہیے کہ بچے کا نفقہ ادا کرے چنانچہ عدالت بھی اس امر کی مجاز ہوگی کہ باپ کی عدم استطاعت کی صورت میں ماں اور ماں کی عدم استطاعت کی صورت میں بچوں کے دادا کو نفقے کے انتظام کا حکم دے۔

البتہ ماں اور دادا کی یہ ذمہ داری باپ کی طرح غیر مشروط اور مطلق نہیں بلکہ جب بھی باپ کی مالی حالت بہتر ہوگی اور وہ اس کے قابل ہو کہ بچوں کے نفقے اور پرورش کے اخراجات کا بار اٹھا سکے تو اس کی ذمہ داری عود کر آئے گی اور وہ اپنے بچوں کے نفقے کا ذمہ دار ہوگا۔ چنانچہ عالمگیری میں ہے:

صغير له اب معسر وجد أبو الاب موسر وللصغير مال غائب يؤمر الجد بالانفاق عليه ويكون ذلك دينا له على الاب ثم يرجع الاب بذلك فى مال الصغير وان لم يكن للصغير مال كان ذلك دينا على الاب كذا فى فتاوى قاضى خان ...... الأم أولى بالتحمل من سائر الاقارب حتى لو كان الاب معسرا و الأم موسرة وللصغير جد موسر تو مر الام بالانفاق من مال نفسها ثم ترجع على الاب ولا يؤمر الجد بذلك كذا فى الذخيرة.

(عالمگیریہ: ج۱، ص۵٦۲، بیروت)

اسی طرح علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لوكان مع الأم الموسرة جد موسر أيضا تؤمر الأم بالانفاق من مالها لترجع على الاب، ولا يؤمر الجد بذلك لانها اقرب الى الصغير فالأم اولى بالتحمل من سائر الاقارب وتمامه فى البحر عن الذخيرة .... وأما اذا كان الأب معسرا فهى على الأب وتستدينها الأم عليه لانها أقرب من الجد." (رد المحتار: ج۳، ص٦١٣، ٦١٤، ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"ان كان الاب معسرا والأم موسرة امرت ان تنفق من

مالها على الولد فيكون دينا ترجع عليه اذا أيسر لان نفقة الصغير على الاب وان كان معسرا كنفقة نفسه فكانت الأم قاضية حقا واجبا عليه بأمر القاضى فترجع عليه اذا أيسر ثم جعل الأم أولى بالتحمل من سائر الاقارب حتى لوكان الاب معسرا والأم موسرة وللصغير جد موسر تؤمر الأم بالانفاق من مال نفسها ثم ترجع على الاب ولايؤمر الجد بذلك لانها أقرب الى الصغير۔"

(البحر الرائق: ج٤، ص٢٠٨، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح "الفقه الاسلامی وأدلته" میں ہے:

"أما اذا لم يكن الاب موجوداً، أو كان فقيراً عاجزاً عن الكسب لمرض أو كبر سن أو نحو ذلك، كانت نفقتهم فى رأى الحنفية على الموجود من الاصول ذكراً كان أو أنثى اذا كان موسرًا، فتجب على الجد وحده اذا كان موسراً، أو على الأم وحدها إذا كانت موسرة، وللجد أو الأم إذا كان الأب موجوداً معسراً غير مريض مرضاً مزمناً الرجوع على الأب فى حال يساره، ويكون ما أنفقه دينا على والدهم، كما يجوز الرجوع عليه اذا أمر القاضى بالإنفاق." (الفقه الاسلامی وأدلته: ج١٠، ص٧٤١٥، ٧٤١٦ مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح "الفقه الحنفي وأدلته" میں ہے:

"غير أنه اذا كان معسرًا، والأم موسرة تؤمر الأم بالانفاق، ويكون دينا على الأب."

(الفقه الحنفى وأدلته، ج٢، ص٢٥٧، ادارة القرآن)

کیا شوہر غائب ہونے کی صورت میں بیوی اپنے بچوں کے نفقے کے لئے قرضہ لے سکتی ہے

کسی عورت کا شوہر غائب ہوجائے اور باپ بچے یا ماں کا مال موجود نہ ہو تو عورت حسب دستور اور ضرورت کے مطابق اپنے اور بچوں کے گذارے کے لئے بچے کے باپ کے نام پر قرض لے سکتی ہے، جب بچے کا باپ واپس آجائے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس قرض کو ادا کردے جو قرض اس کے غائب ہونے کے زمانے میں لے کر گزارا کیا تھا اور بچے کا نفقہ اس سے ادا کیا تھا۔

چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”اذا غاب الاب ولم یترك نفقة تجبر الام علی الانفاق علی الولد من مالها ان كان لها مال ...... ثم یفرض لهم و یامرها بالانفاق والاستدانة لترجع.“

(ردالمحتار، ج۳، ص۶۱۷، ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وكذلك لوغاب الاب بعد فرض نفقة الاولاد وتركهم بلانفقة فاستدانت بامر القاضی وأنفقت علیهم رجعت علیه وكذلك هذا الحكم فی مؤنة الرضاع اذا كان الاب معسراً فالقاضی یأمر الام بالاستدانة.“

(البحرالرائق، ج٤، ص٢٠٨، مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

کیا محتاج شخص پر نفقہ واجب ہے؟

عام اصول تو یہ ہے کہ نفقہ محتاج شخص پر واجب نہیں ہوتا کیونکہ نفقہ کا وجوب صلہ

رحمی کے طور پر ہوتا ہے جبکہ محتاج خود اس بات کا مستحق ہے کہ کوئی دوسرا شخص اس کے ساتھ احسان کرے اور اس کا خرچ برداشت کرے، جب ایک شخص کی یہ حالت ہوگی کہ وہ خود محتاج ہوگا تو وہ دوسروں کا کیا نفقہ ادا کرے گا اور اس پر کیوں کر نفقہ واجب ہوسکتا ہے؟ یہ ایک عام اصول ہے لیکن اس عام اصول کا اطلاق زوجہ اور نابالغ اولاد کے نفقے کی صورت میں نہیں ہوتا اور زوجہ کا نفقہ اور نابالغ بیٹے کا نفقہ اس سے خارج ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ زوجہ کا نفقہ شوہر کے نادار ہونے کے باوجود اس پر واجب رہتا ہے، اسی طرح نابالغ بیٹے کا نفقہ بھی والد پر واجب رہتا ہے جو عام اصول ہے کہ نفقہ محتاج شخص پر واجب نہیں ہوتا تو اس محتاج سے کیا مراد ہوگا؟ اور خوشحالی کیا ہوگی کہ اس پر نفقہ واجب ہو؟

تو خوشحالی کے بارے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ وہ شخص بقدر نصاب کا مالک ہو یا بالفاظ دیگر اس کے لئے زکوٰۃ لینا حرام ہو اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ خوشحالی کا اندازہ یہ ہے کہ ایک ماہ تک اس کی ذات اور اہل و عیال کے خرچے کے بعد کچھ بچ جائے یا اس کی مستقل کمائی سے اس طرح کچھ بچتا ہو کہ وہ اپنے اہل وعیال پر خرچ اور ان کی ضروریات پوری کرلے، اس کے بعد کچھ بچے تو اس پر ذی رحم محرم کا نفقہ واجب ہوتا ہے ورنہ نہیں۔

امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی میں صرف قادر ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ نصاب کا، کیونکہ نصاب مالدار ہی کے واسطے ہے۔

لیکن فقہ میں فتویٰ اس معاملے میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول پر ہے۔

چنانچہ آدمی کی بنیادی ضروریات سے اتنا مال زائد ہو کہ جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو اس پر ذی رحم محرم رشتہ داروں کا نفقہ واجب ہے، اگر زکوٰۃ واجب نہیں تو اسی پر ذی رحم محرم رشتہ داروں کا نفقہ بھی واجب نہیں۔ چنانچہ امام علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی الحنفی اپنی کتاب ''بدائع الصنائع'' میں لکھتے ہیں:

"لان وجوب هذه النفقة من طريق الصلة والصلات تجب على الاغنياء لاعلى الفقراء واذا كان يسار المنفق شرط وجوب النفقة عليه فى قرابة ذى الرحم فلا بدمن معرفة حد اليسار الذى يتعلق به وجوب هذه النفقة روى عن أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ فيه أنه اعتبر نصاب الزكاة قال ابن سماعة قال فى نوادره سمعت أبا يوسف قال لا اجبر على نفقة ذى الرحم المحرم من لم يكن معه ما تجب فيه الزكاة ولو كان معه مائتا درهم الا درهما وليس له عيال وله اخت محتاجة لم اجبره على نفقتها وان كان يعمل بيده ويكتسب فى الشهر خمسين درهما وروى هشام عن محمد رحمه الله تعالىٰ انه قال اذا كان له نفقة شهر وعنده فضل عن نفقة شهر له ولعياله أجبره على نفقة ذى الرحم المحرم قال محمد رحمه الله تعالىٰ واما من لاشئ له وهو يكتسب كل يوم درهما يكتفى منه باربعة دوانيق فانه يرفع لنفسه ولعياله ما يتسع به وينفق فضله على من يجبر على نفقته وجه رواية هشام عن محمدان من كان عنده كفاية شهر فمازاد عليها فهو غنى عنه فى الحال والشهر يتسع للاكتساب فكان عليه صرف الزيادة الى اقاربه وجه قول ابى يوسف ان نفقة ذى الرحم صلة والصلات انما تجب على الاغنياء كالصدقة وحد الغناء فى الشريعة ما تجب فيه الزكاة." (بدائع الصنائع: ج٤، ص٣٥، ایچ ایم سعید)

عالمگیریہ میں ہے:

"اليسار مقدر بالنصاب فيما روى عن أبى يوسف رحمه الله وعليه الفتوى والنصاب نصاب حرمان الصدقة هكذا في الهداية." (عالمگیریہ: ج۱، ص٥٦٤، بیروت)

اسی طرح دیکھئے: (مجمع الانہر۔ ج۱، ص۴۹۰)

باپ صحیح النسب اولاد کے نفقے کا ذمہ دار ہے

باپ صرف اپنی صحیح النسب اولاد کے نفقہ کا ذمہ دار ہوتا ہے، چنانچہ اس پر غیر صحیح النسب اولاد کے نفقہ کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، صرف صحیح النسب اولاد کے نفقہ کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اب آیئے یہ دیکھتے ہیں کہ نسب کسے کہتے ہیں؟

نسب درحقیقت اس قانونی تعلق کا نام ہے جو مرد اور عورت کے درمیان عقد شرعی کے نتیجہ میں تولد کے بعد اپنے والدین کے ہاں پیدا ہوتا ہے یعنی بچے کے والدین سے توالد کے تعلق کو نسب کا نام دیا جاتا ہے۔ اس نسب کی صحت کا دارومدار اسلامی شریعت کے مطابق مرد و عورت کے درمیان ازدواجی تعلق پر ہے۔

اثبات نسب کی بنیاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر ہے:

"الولد للفراش وللعاهر الحجر."

(الحدیث) (مشکوۃ شریف: ج۲، باب اللعان، ص۲۸۷، ایچ ایم سعید)

یعنی بیٹا صاحب فراش کا ہے اور زنا کار کے لئے پتھر ہے، فراش کا لفظی معنی تو بستر کا ہے لیکن اس سے فقہاء کرام رحمہم اللہ کی مراد یہ ہے کہ مرد و عورت کے درمیان عقد شرعی کے ذریعہ زوجیت کا قیام عمل میں آچکا ہو جو استقرارِ حمل کے وقت موجود ہو۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ کی تصریحات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شرع اسلام میں بچے کو صحیح النسب قرار دینے کی انتہاء سے زائد کوشش کی گئی ہے تاکہ بچے کو اپنے والدین کی

صحیح اور جائز اولاد تسلیم کیا جائے اور معاشرہ انتشار، بداخلاقی اور بدتہذیبی سے بچ جائے، اس لئے شریعت میں اس کے لئے بہت کوشش کی گئی ہے کہ بچہ صحیح النسب قرار دیا جائے۔

اس طرح نسب کے ثبوت کے ساتھ ہی اولاد کی صحیح النسبی مسلم ہو جاتی ہے اور پھر وہ تمام حقوق اور ذمہ داریاں جو والدین اور اولاد کے درمیان ہوتی ہیں شرع کی طرف سے ایک دوسرے پر عائد ہو جاتی ہیں، چنانچہ اولاد ثبوتِ نسب کے بعد نفقہ کی مستحق ہوتی ہے۔ ازروئے شریعت باپ ناجائز اولاد کے نفقے کا ذمہ دار نہیں، نفقے کے لئے بیٹے کا صحیح النسب ہونا ضروری ہے۔ جبکہ پاکستان میں اس کے برعکس رائج الوقت قانون دفعہ ۴۸۸ ضابطہ فوجداری کے تحت اس کو یعنی والد کو غیر صحیح النسب کا نفقہ دینا بھی لازم ہوگا ضرورت اس بات کی ہے کہ مذکورہ دفعہ ۴۸۸ ضابطہ فوجداری میں شریعت اسلام کے مطابق ترمیم کی جائے اور مذکورہ دفعہ ۴۸۸ ضابطہ فوجداری ختم کی جائے تاکہ سرکاری قوانین میں باپ پر صرف صحیح النسب اولاد کا نفقہ دینا لازم ہو۔

گرانی وارزانی کے سبب نفقہ میں کمی بیشی کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

اسی طرح ایک صورت یہ بھی ہے کہ نفقہ مقرر کر دیا گیا لیکن ملکی حالات کچھ ایسے ہوتے ہیں کبھی کرنسی کی قیمت بڑھنے اور پیداوار کم ہونے کی وجہ سے اشیاء کی قیمت اتنی بڑھ جاتی ہے کہ ایک عام آدمی کے خریدنے کی طاقت سے وہ قیمت باہر ہو تو آیا وہ شخص نفقہ میں بقدر ارزانی و گرانی کمی بیشی کر سکتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ علامہ ابن عابدین اپنی کتاب ”ردالمحتار“ میں لکھتے ہیں:

”ویقدرها بقدر الغلاء والرخص الخ ای یراعی کل وقت او مکان بما یناسبه وفی البزازیة اذا فرض القاضی النفقة

ثم رخص تسقط الزيادة ولا يبطل القضاء وبالعكس لها طلب الزيادة وكذا لوصالحته على شئى معلوم ثم غلا السعر او رخص كما سيذكره المصنف والشارح."

(ردالمحتار: باب النفقة ج۳، ص۶۸۳، ایچ،ایم،سعید کراچی)

اسی طرح "الفقه الاسلامي وأدلته" میں ہے:

"ويجوز تعديل النفقة المقدرة قضاء فى حالتين: الأولى تبدل حال الزوج من عسر الى يسر، لأن النفقة تختلف بحسب اليسار والاعسار والثانية تبدل أسعار الحاجيات تبدلا ملحوظًا، من رخص الى غلاء وبالعكس فى احوال الظروف الطارئة كالحرب والقحط والكوارث العامة. الخ" (الفقه الاسلامى وأدلته: ج۱۰، ص۷۳۹۷، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح عالمگیری میں ہے:

"ولا يقدر نفقتها بالدراهم والدنانير على أى سعر كانت بل يقدر بها على حسب اختلاف سعار غلاء و رخصا رعاية للجانبين كذا فى البدائع."

(عالمگیریہ: ج۱، ص۵۴۷،مطبوعہ بیروت)

اگراشیاء ارزاں ہوگئیں تو پھراس لحاظ سے دیں گے اور اگر گرانی ہوگئی تو اس لحاظ سے دیں گے۔ شریعت مطہرہ میں بقدر ارزانی و گرانی نفقہ میں کمی بیشی کی اجازت ہے۔

ماں باپ میں تفریق کے بعد بچے کی پرورش کون کرے؟

بالفرض ماں باپ کے درمیان تفریق ہوجائے اور جدائی آجائے تو اب بچہ کس

کے پاس رہے گا، آیا بچہ ماں کے پاس رہے گا یا باپ کے پاس رہے گا تو اس سلسلے میں فقہاء کرام رحمہم اللہ لکھتے ہیں کہ اس صورت میں ماں بچے کی زیادہ حقدار ہوگی۔ کیونکہ حدیث میں ہے:

"عن عبداللّٰہ بن عمرو ان امرأة قالت یارسول اللّٰہ ان ابنی ھذا کان بطنی لہ وعاء وثدیی لہ سقاء وحجری لہ حواء وان اباہ طلقنی وأراد ان ینزعہ منی فقال لھا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انت احق بہ مالم تنکحی."

(ابوداؤد: ص۳۱۰، مطبوعہ آرام باغ)

ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یارسول اللہ یہ میرا بچہ ہے، میرا پیٹ اس کا ٹھکانہ بنا اور میری گود اس کی پناہ گاہ اور میری چھاتی سے سیراب ہوا، اب اس کا باپ چاہتا ہے کہ اس بچے کو مجھ سے جدا کردے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو ہی اس کی حقدار ہے جب تک تو دوسری شادی نہ کرے۔

یہ ماں بچے کی زیادہ حقدار اس لئے بھی ہے کہ وہ بچے پر زیادہ شفیق ہوتی ہے اور اس کی اچھی طرح پرورش کی صلاحیت بھی رکھتی ہے، اس لئے بچے کو اس کے حوالے کرنا زیادہ مناسب ہے لیکن نفقہ باپ ہی کے ذمہ ہوگا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اب ماں کو مجبور کیا جائے۔ چنانچہ علامہ مرغینانی رحمہ اللہ اپنی کتاب "ہدایۃ" میں لکھتے ہیں:

"فاذا وقعت الفرقة بین الزوجین فالأم أحق بالولد لماروی ان امرأة قالت یا رسول اللّٰہ ان ابنی ھذا کان بطنی لہ وعاء و حجری لہ حویٰ وثدی لہ سقاء وزعم ابوہ انہ ینزعہ منی فقال علیہ السلام أنت احق بہ مالم

تتزوجی، ولان الأم اشفق واقدر علی الحضانة فکان الدفع الیها انظر .... والنفقة علی الاب .... ولا تجبر الأم علیه لانها عست تعجز عن الحضانة."

(ھدایه: ج۲، ص۴۱۱، ایچ ایم سعید)

اسی طرح عالمگیری میں ہے:

"أحق الناس بحضانة الصغیر حال قیام النکاح أو بعد الفرقة الأم الا ان تکون مرتدة أو فاجرة غیر مامونة کذا فی الکافی." (عالمگیریہ: ج۱، ص۵٤۱، بیروت)

اسی طرح "درمختار" میں ہے:

"تربیة الولد (تثبت للأم) النسبیة (ولو) کتابیة أو مجوسة أو (بعد الفرقة الا ان تکون مرتدة) فحتی تسلم لانها تحبس (أوفاجرة) الخ."

(درمختار: ج۳، ص۵۵٦، ایچ ایم سعید)

اسی طرح ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

"الأم احق بحضانة الولد بعد الفرقة بطلاق أو وفاة بالاجماع لوفور شفقتها......"

(الفقه الاسلامی وأدلته ج۱۰، ص۷۲۹۸ مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح "الفقه الحنفی وأدلته" میں ہے:

"فاذا وقعت الفرقة بین الزوجین، فالأم احق بالولد."

(الفقه الحنفی وأدلته، ج۲، ص۲٦۱، ادارة القرآن)

بچے کی ماں وفات پا جائے تب پرورش کا حقدار کون ہوگا؟

اگر بچے کی ماں وفات پا جائے تو اس صورت میں کون پرورش کا حقدار ہوگا۔

شریعت مطہرہ کی رُو سے نانی بچے کی پرورش کرے گی، نفقہ پھر بھی والد ہی کے ذمہ ہوگا، اگر نانی اور پرنانی نہ ہو تو پھر بہنوں کے مقابلے میں دادی کو ترجیح دی جائے گی، اب اگر دادی بھی نہیں تو کیا کریں تو پھر بہنوں کو پھوپھیوں اور خالاؤں پر ترجیح دی جائے گی اور بہنوں میں حقیقی بہن قابل ترجیح ہوگی، پھر ماں شریک بہن اگر وہ بھی نہ ہو تو پھر باپ شریک بہن۔ اگر یہ تمام کے تمام نہیں ہیں تو خالاؤں کو پھوپھیوں پر ترجیح دی جائے گی اگر وہ بھی نہ ہو تو پھر پھوپیاں پرورش کی حقدار ہوں گی۔ چنانچہ علامہ مرغینانی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"فان لم تكن أم فأم الأم اولى من ام الاب وان بعدت ...... فان لم تكن له ام الام فام الأب اولى من الاخوات ...... فان لم تكن له جدة فالاخوات اولى من العمات والخالات ...... وتقدم الاخت لاب وام .... ثم الاخت من الأم ثم الاخت من الأب .... ثم الخالات اولى من العمات ترجيحا لقرابة الأم."

(هداية: ج۲، ص۴۱۱، ایچ ایم سعید)

اسی طرح "درمختار" میں ہے:

"(ثم) اى بعد الأم بأن ماتت أولم تقبل أو أسقطت حقها أو تزوجت بأجنبي (أم الأم) وان علت عند عدم اهلية القربى (ثم أم الاب وان علت) ...... (ثم الأخت لأب وأم ثم لام) لأن هذا الحق لقرابة الأم (ثم الاخت (لأب) ...... (ثم الخالات كذلك) ...... (ثم العمات كذلك)" (درمختار: ج۳، ص۵٦٢، ایچ ایم سعید)

اسی طرح "الفقة الحنفي وأدلته" میں ہے:

"فان لم تكن الأم فأم الأم أولى من أم الاب، فان لم تكن فأم الأب، فان لم تكن جدة، فالاخوات لاب وأم، ثم الاخوات لأم، ثم الأخوات لأب، ثم بنات الأخت لابوين، ثم بنات الأخت لأم، ثم الخالات، ثم بنات الاخت لاب، ثم العمات."

(الفقه الحنفى وأدلته، ج۲، ص۲٦۲، مطبوعہ ادارة القرآن)

اسی طرح "الفقه الاسلامی وأدلته" میں ہے:

"الحنفية: الأم، ثم أم الام ثم أم الاب، ثم الاخوات، ثم الخالات، ثم بنات الاخت ثم بنات الأخ، ثم العمات، ثم العصبات بترتيب الإرث."

(الفقه الاسلامی وادلته: ج۱۰، ص۷۳۰۰، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح فتاویٰ "عالمگیری" میں ہے:

"وان لم يكن له أم تستحق الحضانة بان كانت غير أهل للحضانة أو متزوجة بغير محرم أو ماتت فأم الأم اولى من كل واحدة وان علت فان لم يكن للأم أم فأم الأب اولى ممن سواها وان علت كذا فى فتح القدير ...... فان ماتت أو تزوجت فالاخت لأب وأم فان ماتت أو تزوجت فالاخت لأم فان ماتت أو تزوجت فبنت الاخت لاب وأم فان ماتت أو تزوجت فبنت الاخت لام .... والصحيح ان الخالة أولى وأولى الخالات الخالة لأب وأم ثم الخالة لأم ثم الخالة لاب وبنات الأخوة أولى من العمات والترتيب فى العمات على نحو

ما قلنا فی الخالات کذا فی فتاوی قاضی خان."

(فتاویٰ عالمگیریہ: ج۱، ص۵۴۱، بیروت)

اگر بچے کی کوئی رشتہ دار عورت نہ ہو تو بچے کا کیا کیا جائے

اب اس سے قبل تو رشتہ دار عورتوں کا بتایا گیا کہ ان میں سے زیادہ حقدار کون ہے لیکن ایک بچہ یا بچی ایسی ہے کہ اس کی کوئی رشتہ دار عورت نہیں ہے اور لوگ اس کشمکش میں مبتلا ہیں کہ اس بچے کو کس کے حوالے کریں تو اس صورت میں مردوں میں بچہ کے عصبات یعنی باپ کی طرف سے رشتہ دار زیادہ حق دار ہوں گے، اگر باپ کی طرف سے رشتہ دار ایک سے زائد ہوں تو ان میں جو سب سے زیادہ قریب ہوگا وہ زیادہ حق دار ہوگا کیونکہ ولایت اور سرپرستی قریبی رشتہ داروں کی ہوتی ہے۔ اگر ایک بچہ یا بچی جس کے کوئی عصبہ سوائے چچا کے بیٹے کے نہیں ہے تو اب اس صورت میں کیا اس بچے یا بچی کو چچا کے بیٹے کے حوالے کیا جائے گا یا نہیں؟ از روئے شریعت اس معاملے میں قاضی کو اختیار دیا گیا ہے، اگر قاضی مناسب سمجھتا ہے تو اس کے سپرد کردے، اگر قاضی مناسب نہیں سمجھتا کہ اس کے سپرد کرے تو کسی کو اس کا امین بنادے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:

"فان لم تکن للصبی امرأۃ من اهله فاختصم فیه الرجال فاولاهم اقربهم تعصیبا لان الولایۃ للاقرب وقد عرف الترتیب فی موضعه، ای فی باب المیراث والنکاح." (هدایة: ج۲، ص۴۱۲، ایچ ایم سعید)

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"قال فی تحفة الفقهاء وان لم تکن للجاریة من عصباتها غیر ابن العم فالاختیار الی القاضی ان رآه

أصلح يضمها اليه والا فيضعها عند امينة."

(عالمگیریہ: ج۱، ص۵٤۲، بیروت)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"ان لم يكن للصغير احد من محارمه من النساء واختصم فيه الرجال فأولاهم به أقربهم تعصيبا لان الولاية للاقرب." (البحر الرائق: ج٤، ص١٦٩، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح "الفقه الحنفی وأدلته" میں ہے:

"واذا لم يكن للصغير امرأة، أخذه الرجال صوناً له، وأولاهم أقربهم تعصيبًا، لان الولاية عليه بالقرب."

(الفقه الحنفي وأدلته، ج٢، ص٢٦٣، مطبوعہ ادارہ القرآن)

اسی طرح "الفقه الاسلامی وأدلته" میں ہے:

"ان لم يكن للمحضون أحد من النساء المذكورات، انتقلت الحضانة الى الرجال على ترتيب العصبات الوارثين المحارم."

(الفقه الاسلامی وأدلته: ج١٠، ص٧٣٠١، مطبوعہ کوئٹہ)

اگر ماں اسلام کے دامن کو چھوڑ دے تو کیا بچے کی پرورش کی حقدار ہوگی؟

والدہ اگر مرتد ہوجائے تو اس کو بچے کی پرورش کا حق نہیں ہوگا یا اسی طرح اگر کھلے عام فسق و فجور میں مبتلا ہو جیسے زنا، گانا بجانا، چوری کرنا یا بچے کا خیال نہیں رکھتی ہو مثلاً بچے کو اکیلا چھوڑ کر باہر چلی جاتی ہو جس سے بچے کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو کہ بچہ ضائع ہوجائے گا اسی طرح ماں بچے کے نامحرم رشتہ دار سے شادی کرے تو

فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ اس وقت اس کا حق پرورش ختم ہوجائے گا اور وہ پرورش کی حق دار نہیں رہے گی کیونکہ اس میں بچے کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، اس لئے شریعت اسے اس کا حق دار نہیں ٹھہراتی۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"احق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأم الا أن تكون مرتدة أو فاجرة غير مامونة كذا فى الكافى .... وكذا لو كانت سارقة أو مغنية أو نائحة فلا حق لها هكذا فى النهر الفائق."

(عالمگیریہ: ج۱، ص۵٤۱، بیروت)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "البحر الرائق" میں لکھا ہے:

"فلا حضانة للمرتدة سواء لحقت بدار الحرب أولا .... ولا للفاسقة .... وينبغي ان يراد بالفسق فى كلامهم هنا الزنا المقتضى لاشتغال الام عن الولد به ...... ولا لمن تخرج كل وقت وتترك البنت ضائعة ولا للأمة وأم الولد والمدبرة والمكاتبة اذا ولدت قبل الكتابة ولا للمتزوجة بغير محرم."

(البحر الرائق: ج٤، ص١٦٧، مطبوعہ بیروت)

اسی طرح "درمختار" میں ہے:

"تربيت الولد (تثبت للام) ...... (الا أن تكون مرتدة) ...... (أوفاجرة) فجورا يضيع الولد به كزنا وغناء وسرقة ونياحة كما فى البحر والنهر بحثا .... (أو غير مأمونة) ذكره فى المجتبى بأن تخرج كل وقت وتترك

الولد ضائعا (أو) تكون (أمة أو أم ولد أو مدبرة أو مكاتبة ولدت ذلك الولد قبل الكتابة او متزوجة بغير محرم)"

(درمختار: ج۳، ص۵۵۷، ۵۵٦، ایچ ایم سعید)

اسی طرح شیخ امام کمال الدین محمد بن عبدالواحد رحمہ اللہ نے "فتح القدیر" میں لکھا ہے:

"وما اذا لم تكن أهلا للحضانة بان كانت فاسقة أو تخرج كل وقت وتترك البنت ضائعة أو كانت أمة أو أم ولد أو مدبرة أو مكاتبة ولدت ذلك الولد قبل الكتابت أو متزوجة بغير محرم" (فتح القدير: ج٤، ص١٨٤، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح فتاویٰ قاضی خان میں ہے:

"ولا حق للأمة وأم الولد في الحضانة .... ولا حق للمرتدة وانما يبطل حق الحضانة لهؤلاء النسوة بالتزوج اذا تزوجن باجنبي" (قاضی خان علی هامش: ج١، ص٤٢٢، بیروت)

بچوں کی پرورش کے معاملے میں ماں کس قدر حق دار رہے گی؟

بچوں کی پرورش کے معاملے میں پرورش کرنے والی اس وقت تک بچے کی حقدار ہے جب تک وہ بچہ اس کی خدمت اور پرورش سے بے نیاز نہ ہو جائے جس عمر میں وہ بچہ عورت کی خدمت سے بے نیاز ہو جائے گا اس وقت اس کا حق پرورش ختم ہو جائے گا، اس کا اندازہ فقہاء نے سات سال لگایا ہے اور اگر بچی ہو تو ماں اور دادی کے لئے یہ ہے کہ بلوغ تک وہ ساتھ رکھیں لیکن پرورش کرنے والا اگر ماں کے علاوہ کوئی اور ہوں تو اس وقت تک رکھیں جب تک لڑکی مشتہاۃ نہ ہو۔

چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"(والحاضنة أما او غيرها احق به أى بالغلام حتى يستغنى عن النساء) بان يأكل ويشرب ويستنجي وحده .... (وقدر بسبع) (وبه يفتى) (لانه الغالب) أى الاستغناء هو الغالب فى هذا السن ...... (والأم والجدة ...... احق بها بالصغيرة حتى تحيض أى تبلغ) وبلوغها إما بالحيض أو الانزال أو السن ...... (وغيرهما احق بها حتى تشتهى وقدر بتسع وبه يفتى)"

(شامیہ: ج٣، ص٥٦٦، ایچ ایم سعید)

اسی طرح فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:

"والأم والجدة أحق بالغلام حتى يستغنى وقدر بسبع سنين وقال القدورى حتى ياكل وحده ويشرب وحده ويستنجي وحده وقدره ابوبكر الرازى بتسع سنين والفتوى على الاوّل، والأم والجدة أحق بالجارية حتى تحيض وفى نوادر هشام عن محمد رحمه اللّٰه تعالٰى اذا بلغت حد الشهوة فالاب أحق وهذا صحيح هكذا فى التبيين." (فتاویٰ عالمگیری: ج١، ص٥٤٢، بیروت)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"(والام والجدة أحق بالغلام حتى يستغنى وقدر بسبع) لأنه اذا استغنى يحتاج الى تأديب والتخلق باداب الرجال .... وما ذكره المصنف من التقدير بسبع قول الخصاف اعتبارا للغالب لان الظاهر ان

الصغیر اذا بلغ السبع یھتدی بنفسه الی الأكل والشرب واللبس والاستنجاء وحده فلا حاجة الی الحضانة .... الأم والجدة احق بالصغیره حتی تحیض .... غیر الام والجدة أحق بالصغیرة حتی تشتھی۔"

(البحر الرائق: ج٤، ص١٧٠، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح "الفقه الاسلامی وأدلته" میں ہے:

"قال الحنفیة: الحاضنة أما او غیرھا أحق بالغلام حتی یستغنی عن خدمة النساء، ویستقل بنفسه فی الأكل والشرب واللبس والاستنجاء، وقدر زمن استقلاله بسبع سنین .... والأم والجدة أحق بالفتاة الصغیرة حتی تبلغ بالحیض أوالانزال أو السن."

(الفقه الاسلامی وأدلته: ج١٠، ص٧٣٢٢، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح "الفقه الحنفی وأدلته" میں ہے:

"والأم والجدة أحق بالغلام حتی یاكل وحده، ویلبس وحده ویستغنی عن الخدمة ...... وقدر بسبع سنین اعتبارا بالغالب، والبنت حتی تبلغ .... فالأم والجدة تحضن البنت الی البلوغ، وغیر الأم والجدة ممن لھا الحضانة احق بالبنت حتی تبلغ حدًا تشتھی، وقدر بتسع سنین وبه یفتی.

(الفقه الحنفی وأدلته: ج٢، ص٢٦٢، ادارة القرآن)

اسی طرح علامہ علاء الدین بن مسعود الکاسانی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے "بدائع الصنائع" میں لکھا ہے:

"واما وقت الحضانة التی من قبل النساء فالام والجدتان أحق بالغلام حتی یستغنی عنهن فیأکل وحده ویشرب وحده ویلبس وحده .... وذکر الخصاف سبع سنین .... واما الجاریة فهی أحق بها حتی تحیض."

(بدائع الصنائع: ج٤، ص٤٢، ایچ ایم سعید)

بچے کی پرورش کیلئے درج ذیل شرائط کا ہونا ضروری ہے

بچے کی پرورش کے لئے لازم ہے کہ پرورش کرنے والا بالغ ہو، عاقل ہو، آزاد ہو اور بچے کی مناسب پرورش پر قادر ہو اور اس میں کوئی ایسا امر مانع نہ ہو جو اسے ناقابل قرار دیدے مثلاً غیر ذی رحم محرم سے ماں کا نکاح، یہ امر مانع ہے بچے کی پرورش میں ان شرائط میں تمام ائمہ متفق ہیں سوائے اس کے کہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے ہاں بچے کی پرورش کے لئے اسلام بھی شرط ہے کہ پرورش کرنے والا مسلمان ہو کافر نہ ہو، لیکن احناف، ابن قاسم اور ابوثور رحمہم اللہ کے ہاں بچے کی پرورش کرنے والے کے لئے اسلام شرط نہیں۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ "رد المحتار" میں لکھتے ہیں:

"ویشترط فی الحاضنة أن تکون حرة، بالغة، عاقلة، أمینة، قادرة وأن تخلو من زوج أجنبی وکذا فی الحاضن الذکر سوی شرط الأخیر هذا ما یوخذ من کلامهم .... (ولو کتابیة أو مجوسیة) لأن الشفقة لا تختلف باختلاف الدین." (شامیه: ج٣، ص٥٥٥، ٥٥٦، ایچ ایم سعید)

اسی طرح ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی "الفقه الاسلامی وأدلته" میں لکھتے ہیں:

"یشترط فی الحاضن من النساء والرجال مایاتی ①

البلوغ: فلا حضانة للصغیر ولو کان ممیزاً .... ②

العقل: فلا حضانة للمجنون والمعتوه .... ③ القدرة على تربية المحضون: وهي الاستطاعة على صون الصغير في خلقه وصحته .... ④ الامانة على الاخلاق: فلاحضانة لغير أمين على تربية الولد وتقويم اخلاقه .... ⑤ الإسلام شرط عند الشافعية والحنابلة .... ولم يشترط الحنفية والمالكية اسلام الحاضنة فيصح كون الحاضنة كتابية أو غير كتابية." (الفقه الاسلامي وأدلته: ج١٠، ص٧٣٠٤ تا ٧٣٠٦ مطبوعہ کوئٹہ)

والدہ بچوں کے علاج کا انتظام نہ کر سکے تو کیا کیا جائے؟

اگر بچہ سخت بیمار ہو اور اس کی والدہ اس کے علاج کا انتظام نہ کر سکتی ہو اور بچہ اس کے پاس چھوڑنے میں یہ خطرہ ہو کہ علاج نہ ہونے کے سبب بچہ ضائع ہو جائے یا مرض خطرناک شکل اختیار کر لے گا تو اس سلسلے میں فقہاء کرام رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس صورت میں والدہ کا حق ساقط ہو جاتا ہے اور بچہ کو والد اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ اپنی کتاب "رد المحتار" میں لکھتے ہیں:

"قال في التنوير، تثبت للأم ولو بعد الفرقة الا أن تكون مرتدة أو فاجرة أو غير مأمونة وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى في شرح قوله (فاجرة) فجورا يضيع الولد به ...... وفي شرح قوله (غير مامونة) ذكره في المجتبى بأن تخرج كل وقت وتترك الولد ضائعًا وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله المراد كثرة الخروج لان المدار على ترك الولد ضائعا والولد في حكم الا مانة

عندها ومضيع الامانة لايستأمن.

(رد المحتار: ج۳، ص۵۵۶/۵۵۷، ایچ ایم سعید)

اسی طرح "الفقه الاسلامی وأدلته" میں ہے:

"الأم أحق بحضانة الولد بعد الفرقة .... الا أن تكون مرتدة أو فاجرة فجوراً يضيع الولد به كزنا وغناء وسرقة ونياحة او غير مامونة، بان تخرج كل وقت، وتترك الولد ضائعًا." (الفقه الاسلامی وأدلته: ج۱۰، ص۷۲۹۸، مطبوعہ کوئٹہ)

تو جہاں بچہ ضائع ہونے کا خطرہ ہو وہاں ماں کا حق پرورش ساقط ہوجاتا ہے۔

چنانچہ اسی طرح کچھ آگے "الفقه الاسلامی وأدلته" میں ہے:

"القدرة على تربية المحضون: وهى الاستطاعة على صون الصغير فی خلقه وصحته، فلاحضانة للعاجز لكبر سن أو مرض أو شغل."

(الفقه الاسلامی وأدلته: ج۱۰، ص۷۳۰۵، مطبوعہ کوئٹہ)

کیا کسی اجنبی سے نکاح کرنے سے حق حضانت ساقط ہوجائے گا؟

ائمہ اربعہ اس امر میں متفق ہیں کہ اگر بچے کے والدین میں فرقت واقع ہوچکی ہو تو ماں کا حق حضانت اس وقت ساقط ہوجائے گا جب عورت کسی ایسے اجنبی سے نکاح کرلے جو اس بچے کا ذو رحم محرم نہ ہو۔

البتہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہ کے نزدیک دوسرا نکاح کرلینے سے حق حضانت ساقط نہیں ہوتا ہے۔ (المغنی لابن قدامہ: ج۷، ص۶۱۹، مطبوعہ مصر)

امام شافعی اور احمد بن حنبل رحمہما اللہ کے ایک قول کے مطابق نکاح ثانی کے

منعقد ہوتے ہی حق حضانت ساقط ہوجاتا ہے لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے قول کے مطابق نکاح ثانی کے بعد جب تک شوہر اس سے ہم بستری نہ کرلے اس وقت تک حق حضانت ساقط نہ ہوگا لیکن امام احمد رحمہ اللہ کا پہلا قول زیر عمل رہا ہے۔ (المغنی لابن قدامہ: ج۷، ص۶۲۰، مطبوعہ مصر)

جب بچے کے والدین میں فرقت ہوچکی ہو تو ماں بچے کی پرورش کی حق دار ہوگی اگر انہوں نے دوسرا نکاح کیا کسی اجنبی سے تو اس وقت ماں کی حق پرورش ختم ہوگی۔

چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ اپنی کتاب "ردالمحتار" میں لکھتے ہیں:

"قال فی التنویر: تثبت للأم ولو بعد الفرقة الا أن تکون مرتدة .... أو متزوجة بغیر محرم وقال العلامة ابن عابدین أی من جهة الرحم فلو کان محرما غیر رحم ...... فهو کالأجنبی." (رد المحتار: ج۳، ص۵۵۷، ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "البحر الرائق" میں لکھتے ہیں:

"(ومن نکحت غیر محرم سقط حقها) أی غیر محرم من الصغیر کالأم اذا تزوجت باجنبی منه لقوله علیه الصلوٰة والسلام أنت أحق به مالم تتزوجی ولأن زوج الأم اذا کان أجنبیا یعطیه نزرا وینظر الیه شزرا فلا نظر له .... ولذا قال فی القنیة الأم اذا تزوجت بزوج أخر وتمسك الصغیر معها أم الأم فی بیت الاب فللاب ان یاخذ منها." (البحر الرائق: ج٤، ص١٦٨، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح "فتح القدیر" میں ہے:

"وما اذا لم تکن اهلا للحضانة بان کانت فاسقة ...... أو متزوجة بغیر محرم" (فتح القدیر: ج٤، ص١٨٤، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح ''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے:

''وان لم یکن له أم تستحق الحضانة بان کانت غیر أهل للحضانة أو متزوجة بغیر محرم.''

(فتاویٰ عالمگیری: ج۱، ص۵٤۱، مطبوعہ بیروت)

اسی طرح ''الفقه الاسلامی وأدلته'' میں ہے:

''ألا تکون متزوجة بأجنبی عن الصغیر أو بقریب غیر محرم منه.'' (الفقه الاسلامی وأدلته: ج۱۰، ص۷۳۰۷، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح الشیخ السعد محمد سعید الصاغرجی نے اپنی کتاب ''الفقه الحنفی وأدلته'' میں لکھا ہے:

''وکل من تزوجت من هؤلاء بأجنبی سقط حقها من الحضانة لأن الاجنبی یعطیه نزراً وینظر الیه شزراً.''

(الفقه الحنفی وأدلته: ج۲، ص۲٦۲، مطبوعہ ادارۃ القرآن)

ماں کو کس عمر تک بچوں کی پرورش کا حق ہے؟

اس امر میں تو امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ بچے کی پرورش کی مستحق سب سے پہلے ماں ہے دوسرے رشتہ داروں کا درجہ اس کے بعد ہے البتہ اس امر میں اختلاف ہے کہ اس لڑکے یا لڑکی کی پرورش کا حق ماں کو کتنی عمر تک رہتا ہے؟

حنفیہ کا مسلک

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جب لڑکا خود کھانے، پینے، لباس پہننے اور استنجاء کرنے لگے تو اس کی پرورش کا حق ماں سے باپ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے بچے کی اس حالت کو پہنچنے کے لئے عمر کا اندازہ علامہ خصاف رحمۃ اللہ علیہ نے سات سال بیان کیا ہے۔ البتہ ماں کو لڑکی کی پرورش کا حق اس کے بالغ ہونے تک ہے، یہی قول

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جب لڑکی میں نفسانی خواہش ظاہر ہوں تو اس وقت تک ماں کو پرورش کا حق حاصل ہے، متاخرین احناف نے امام محمد رحمہ اللہ کے قول کو پسند کیا ہے۔ چنانچہ صاحب ''مجمع الانہر'' لکھتے ہیں:

''ویکون الغلام عندهن حتى يستغني عنها بأن يأكل ويشرب ويلبس ويستنجي وحده وقدر بتسع أو سبع والجارية عند الأم والجدة حتى تحيض وعند محمد حتى تشتهي وبه يفتى لفساد الزمان.''

(مجمع الانہر: ج۱، ص۴۸۴، مصر)

ائمہ ثلاثہ کا نقطہ نظر

امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ماں کو لڑکے کی پرورش کا حق اس وقت تک حاصل ہے جب تک وہ لڑکا واضح طور پر بات چیت کر سکے اور لڑکی کی پرورش کا حق اس وقت تک ماں کو حاصل ہے جب تک اس کی شادی نہ ہوئی ہو۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک لڑکے اور لڑکی کی پرورش کا حق ماں کو دونوں کے سات سال عمر ہونے تک حاصل ہے۔ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو اس کے بعد بچے کو یہ اختیار دیا جائے گا کہ وہ ماں کے ساتھ رہنا چاہتا ہے یا باپ کے ساتھ وہ جس کے ساتھ رہنے کو پسند کرے گا اسی کے حوالہ کر دیا جائے گا اور اسی کو اس کی پرورش کا حق حاصل ہوگا۔ (دیکھئے المغنی لابن قدامہ: ج۷، ص۴۱۴ تا ۴۱۶، مطبوعہ مصر)

شیعہ فقہاء کی رائے

فقہ جعفری کے رو سے ماں کو لڑکے کے متعلق دو سال اور لڑکیوں کے متعلق سات سال کی تکمیل تک حق پرورش حاصل رہتا ہے اس لئے جب مذکورہ عمر کی حد تک پہنچ جائے تو حق پرورش ماں سے باپ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے یعنی اس کے بعد

باپ کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ بچے کو اپنے پاس رکھے اور اس کی پرورش کرے۔
(دیکھیے شرائع الاسلام، نجم الدین جعفر القسم الثانی۔ ص ۱۰۲، تہران)

اس ضمن میں احناف کا مسلک صواب سے قریب تر ہے اور نابالغوں کی مصلحتیں بھی اس کے متقاضی ہیں لہٰذا اسی بنیاد پر قانون سازی ہی مناسب رہے گی۔

ماں کے حق پرورش کے بارے میں قرآن کریم میں کوئی آیت ظاہری طور پر موجود نہیں ہے البتہ اقتضاء النص کے طور پر فقہاء کرام رحمہم اللہ نے آیت رضاعت "والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین" سے ثابت کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مائیں اپنی اولاد کو دو سال تک دودھ پلائیں، چنانچہ اس آیت سے اقتضاء النص کے طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ صغر سنی میں بچے کی پرورش کا اولاً حق بھی ماں کو حاصل ہوگا۔

پرورش کے بارے میں احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

فقہاء کرام رحمہم اللہ نے ماں کے حق پرورش میں مذکورہ آیت قرآنی کے ساتھ متعدد احادیث سے بھی استدلال کیا ہے، چنانچہ جن احادیث سے استدلال کیا ہے۔ ذیل میں وہ احادیث پیش کی جاتی ہے:

احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) "فخرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتبعته ابنة حمزه تنادی یا عم یا عم فتنا ولها علی فاخذ بیدها وقال لفاطمة دونك ابنة عمك فحملتها فاختصم فیها علی وزید وجعفر قال علی انا اخذتها وهی بنت عمی، وقال جعفر ابنة عمی وخالتها تحتی وقال زید ابنة اخی فقضی بها النبی صلی اللہ علیه وسلم لخالتها وقال الخالة بمنزلة الأم." (بخاری: ج۲، ص۵۷، مطبوعہ مصر)

ترجمہ: "جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے بعد نکلے تو حمزہ رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کی بیٹی نے آپ کا تعاقب کیا اور تعاقب کرنے کے ساتھ ساتھ آپ کو آواز دی، اے چچا! اے چچا! تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس بچی کا ہاتھ پکڑ لیا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ: اپنے چچا کی بیٹی کو لو چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس بچی کو اُٹھالیا تو اس بارے میں حضرت علی، حضرت زید اور حضرت جعفر آپس میں جھگڑنے لگے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں نے اسے لے لیا ہے کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے اور حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میرے بھائی کی بیٹی ہے اس لئے وہ میرے پاس رہے گی تو اس معاملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے حق میں فیصلہ دیا اور فرمایا، خالہ ماں کے درجے میں ہے لہٰذا یہ بچی جو حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیٹی ہے خالہ کے پاس رہے گی اور خالہ کو حق پرورش حاصل ہے۔"

(۱۲) "عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده عبداللّٰه بن عمرو ان امرأة قالت یا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان ابنی هذا کان بطنی له وعاء وثدیی له سقاء وحجری له حواء وان اباه طلقنی وأراد ان ینزعه منی فقال لها رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم انت احق به مالم تنکحی." (السنن الکبری: ج۸، ص۴، ۵، مطبوعہ دکن)

ترجمہ: "عمرو بن شعیب نے اپنے والد اور ان کے والد نے اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے روایت کی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ میرا بیٹا ہے، جس کے لئے میرا پیٹ ظرف تھا اور میری چھاتی مشکیزہ اور میری گود اس کے لئے پناہ گاہ تھی، اس کے باپ نے مجھے طلاق دی اور اب اس کا باپ یہ چاہتا ہے کہ یہ بچہ مجھ سے لے لے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو اپنے بچے کی زیادہ مستحق ہے، جب تک کہ تو دوسرا

نکاح نہ کرے۔"

۱۳ "حدثنی رافع بن سنان انه أسلم وأبت امرأته ان تسلم فاتت النبی صلی اللّٰه علیه وسلم فقالت ابنتی وهی فطیم اوشبهه وقال رافع ابنتی فقال له النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اقعد ناحیة وقال لها اقعدی ناحیة، واقعد الصبیة بینهما ثم قال ادعواها فمالت الصبیة الی امها فقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم اللّٰهم اهدها فمالت الی ابیها فأخذها." (ابوداؤد: ج۱، ص۳۰۵، مطبوعہ کارخانہ تجارت کتب)

(السنن الکبریٰ للبیہقی: ج۸، ص۳)

ترجمہ: "رافع بن سنان نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے اسلام قبول کیا اور ان کی بیوی اسلام کے دامن سے وابستہ ہونے سے انکار کرنے لگی وہ عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا کہ یہ میری بیٹی ہے جس کا دودھ چھوٹ چکا ہے اور رافع کہتا ہے کہ وہ میری بیٹی ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رافع سے فرمایا کہ ایک طرف بیٹھ جاؤ اور اس کی بیوی سے کہا کہ تم بھی ایک طرف بیٹھ جاؤ اور فرمایا کہ بچی کو درمیان میں بٹھاؤ پھر فرمایا کہ تم دونوں بچی کو بلاؤ تو وہ بچی اپنی ماں کی طرف مائل ہوگئی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ! اس لڑکی کو ہدایت فرما تو وہ بچی باپ کی طرف مائل ہوگئی چنانچہ رافع نے اس بچی کو لے لیا۔"

۱۴ "عن ابی میمونة قال بینا انا عند ابی هریره فقال ان امرأة جاءت الی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقالت فداك أبی وأمی ان زوجی یرید ان یذهب بابنی وقد نفعنی وسقانی من بئر أبی عیینة فجاء زوجها وقال من یخاصمنی فی ابنی فقال یا غلام هذا ابوك وهذا أمك فخذ بیدایهما شئت فاخذ بیدامه فانطلقت."

(نسائی: ج۲، ص۹۳، مطبوعہ اصح المطابع کراچی)

ترجمہ: ''ابومیمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور عرض کیا کہ میرے والدین آپ پر قربان ہوں میرا شوہر چاہتا ہے کہ میرے بیٹے کو لے جائے اور مجھے نفع دیتا ہے اور ابی عینیہ کے کنویں سے پانی پلاتا ہے تو اس وقت اس کا شوہر آیا اور کہا کہ کون مجھ سے میرے بیٹے کے بارے میں جھگڑا کرتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے لڑکے یہ تیرا باپ ہے اور یہ تیری ماں ہے تو جس کا ہاتھ چاہے تھام لے تو لڑکے نے والدہ کا ہاتھ تھام لیا اور اس لڑکے کو وہ عورت لے کر چلی گئی۔''

⑤ ''فقضى به ابوبكر رضى الله عنه لامه ثم قال: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم لا توله والدة عن ولدها.''

(السنن الكبرى للبيهقي: ج٨، ص٥، مطبوعہ دکن)

ترجمہ: ''ایک روایت میں ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے والدہ کے حق میں فیصلہ کیا اور فیصلہ کرنے کے بعد فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ والدہ کو اس کے بیٹے سے نہ چھڑاؤ یعنی والدہ کو اس کے بیٹے سے جدا نہ کرو۔''

اس مسئلے میں علامہ ابن قدامہ حنبلی کی رائے

''الأم احق بكفالة الطفل والمعتوه اذا طلقت'' بچے اور عدیم العقل کی پرورش کی ماں زیادہ حقدار ہے جبکہ اسے طلاق دی گئی ہو اور وہ اس کی دلیل میں مذکورہ بالا حدیث نمبر۲ عمرو بن شعیب کی اور اثر حضرت ابوبکر کو پیش کیا ہے اور پھر فرمایا ہے:

''ولأنها اقرب اليه واشفق عليه ولا يشاركها فى القرب الا

ابوه ولیس له مثل شفقتها ولا یتولی الحضانة بنفسه وانما یدفعه الی امرأته وامه اولٰی به من أم ابیه.“

یعنی بچے سے زیادہ قریب اور زیادہ شفقت رکھنے والی ماں ہوا کرتی ہے اس قرب وشفقت میں باپ کے علاوہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا اور حقیقت تو یہ ہے کہ باپ بھی ماں جیسی شفقت نہیں رکھتا نیز والدہ کو فوقیت دینے کے بارے میں علامہ ابن قدامہ نے ایک اور مقام پر لکھا ہے:

”والحضانة انما تثبت لحفظ الولد فلا تشرع علی وجه یکون فیه هلاکه وهلاك دینه“

پرورش اور حضانت بچے کی فلاح و بہبود کے پیش نظر مقرر کی گئی ہے لہٰذا کسی ایسے طریقے سے پرورش درست نہیں ہوگی کہ اس میں بچے کی ذات کے ضیاع کا اندیشہ ہو یا بچے کے دین کے ضیاع کا اندیشہ ہو۔

(تفصیل کے لئے دیکھئے: المغنی: ج ۷، ص ۶۱۴، ۶۱۳، مطبوعہ مصر)

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ کی رائے

علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ اور علامہ برہان الدین مرغینانی رحمہ اللہ نے بھی سابقہ روایات کا حوالہ دیتے ہوئے اور اس کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”ولان الام اشفق وأقدر علی الحضانة فکان الیها انظر واشار الصدیق رضی اللّٰه عنه بقوله: ریقها خیر من عسل عندك یا عمر رضی اللّٰه تعالٰی عنه“

یعنی ماں کو اس لئے حق پرورش دیا جاتا ہے کہ ماں بہت زیادہ شفیق اور زیادہ قادر ہوتی ہے پرورش پر اسی شفقت کی طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اشارہ فرمایا کہ اے عمر بچے کی ماں کا لعاب دہن بچے کے حق میں تمہارے شہد سے زیادہ

شیریں ولذیذ ہوگا۔

ایک مقام پر علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں کہ ماں باپ کی نسبت اس لئے زیادہ شفیق ہوتی ہے کہ حقیقت میں بچہ ماں کے جسم کا ایک حصہ ہوتا ہے یہاں تک کہ بعض اوقات بچے کو قینچی کے ذریعے کاٹ کر ماں سے جدا کیا جاتا ہے اور عورت اسی پرورش میں مشغول ہونے کی وجہ سے حضانت پر زیادہ قدرت رکھتی ہے۔ بخلاف مرد کے کہ وہ مال کے حصول پر زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔

(فتح القدیر: ج ۴، ص ۱۸۵، مطبوعہ کوئٹہ)

امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ نے استدلال میں یہی احادیث مذکورہ پیش کی ہیں اور والدہ کے تقدم کی علت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے:

"فلما كان لا يعقل كانت الام اولى به على ان ذلك حق للولد لا للابوين لان الام اشفق عليه وارق من الاب."

(کتاب الام: ج ۸، ص ۲۳۵، مطبوعہ مصر)

تجزیہ

مذکورہ بالا روایات سے ماں اور باپ کی شفقت ومحبت کا اندازہ کرنا اور اس سے پرورش کے حق میں ماں کا مقدم ہونا واضح ہوجاتا ہے۔ الا یہ کہ ایسے عوارض پیش آجائیں جن کی بناء پر بچے کے حق میں ماں کی اس محبت وشفقت کے معدوم ہوجانے کا ظن غالب ہو چنانچہ سابقہ احادیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "انت احق به مالم تنكحى" اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ دوسرا نکاح کرنے کے بعد عورت کو چونکہ دوسرے شوہر سے ازدواجی تعلق پیدا ہونے کی بناء پر اس کی اولاد سے شفقت ومحبت کا لگاؤ پیدا ہوجائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ دوسرے شوہر کے حقوق کی

ادائیگی میں مصروف رہنا پڑے گا اس لئے اس بچے کی پرورش کے حقوق ادا نہیں کر سکے گی۔ اسی لئے فقہاء کرام رحمہم اللہ نے ماں کے فاسقہ یا اسی طرح بے دین اور غیر مامونہ یعنی وہ بچے کو چھوڑ کر باہر نکل جاتی ہے جس سے بچے کے ضیاع کا خطرہ ہو یا بچے کے دین کے ضیاع کا خطرہ ہو تو اس سے اس کا حق پرورش ساقط ہو جاتا ہے۔

ان تمام احادیث و آثار سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حق پرورش میں بچے کی بہبود اور حفاظت کا لحاظ رکھا جائے گا اور اسی طرح حالات کے تقاضوں کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جہاں تک ممکن ہو ماں کو پرورش میں تقدم حاصل ہوگا اگر کوئی مانع موجود نہ ہو۔ البتہ بعض مواقع ایسے ہیں کہ ان میں بچوں کو اختیار دینا مناسب ہوگا اگر حالات کا تقاضا یہ ہے کہ بچے کو ماں کی پرورش میں دینے سے نقصان ہے تو اس وقت حاکم عدالت کو بہتر طریقے کا انتخاب خود کرنا ہوگا۔

عدالتوں کا نقطہ نظر

ہماری عدالتوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ حضانت کے معاملے میں بچے کی بہبود کا تصور ایک فیصلہ کن حیثیت رکھتا ہے اور اسی کو سامنے رکھ کر ہمارے معزز جج حضرات فیصلہ کرتے ہیں اور بچے کی بہبود کا تصور یہ شرع اسلام کے عین مطابق ہے۔ لیکن واضح رہے کہ اس معاملے میں یعنی بچے کی بہبود کا تصفیہ جج کے موضوعی (Subjective) انداز نظر پر نہیں چھوڑنا چاہیئے بلکہ اس کا تصفیہ معروضی طور پر (Objectiv) کرنا چاہیئے اور معروضی طور پر تصفیہ کرنے کے لئے بھی شرعی قواعد کا لحاظ رکھا جائے گا کیونکہ شرعی قاعدہ کے بارے میں تو سب سے پہلے یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ شرعی قاعدے کا اطلاق بچے کی بہبود میں ہے اور اس میں بچے کا فائدہ ہے نہ کہ نقصان الا یہ کہ حالات ایسے ہوں کہ ایک شرعی قاعدے کو چھوڑ کر دوسرے شرعی قاعدے کو اختیار کرنا انسب ہو اور اس میں بچے کی بہبود کا تصور زیادہ ہو۔

مثال کے طور پر ایک شرعی قاعدہ یہ ہے کہ عورت کا ایک ایسے اجنبی مرد سے نکاح ثانی کرنا جو بچے کا محرم نہ ہو اس کے حق حضانت سے محرومی کا موجب ہوگا لیکن دوسرا شرعی قاعدہ یہ ہے کہ حضانت کا مدار بچے کی منفعت پر ہے چنانچہ اگر حالات مقدمہ کچھ اس طرح ہے کہ ان حالات کو دیکھ کر عدالت اس نتیجے پر پہنچے کہ دوسرے قاعدے کے اتباع میں پہلے قاعدے سے صرف نظر کرنا چاہئے تو ایسا کرنا شریعت کے مطابق ہوگا۔

چنانچہ ہماری عدالتوں کا یہ نقطہ نظر کہ اگر حالات مقدمہ کے پیش نظر بچے کی بہبود اسی میں ہو کہ وہ ماں کے پاس رہے تو محض کسی اجنبی مرد سے نکاح کر لینے سے بچے کو ماں سے نہیں لیا جائے گا، اس کی تائید فقہاء کرام رحمہم اللہ کے اقوال سے بھی ہوتی ہے۔

چنانچہ علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب ''ردالمحتار'' میں جلد دوم صفحہ نمبر ۶۹۴ مطبع بولاق مصر حضانت کے باب میں اس مسئلے پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے: اگر حاضنہ عورت کھانے پینے میں شوہر سے علیحدہ ہے اور بیٹا عورت کے پاس ہے تو حق حضانت عورت کو حاصل ہوگا کیونکہ اس مرد کو اس عورت اور بچے پر کوئی دخل نہیں بخلاف اس صورت کہ حاضنہ عورت اجنبی شوہر کے زیر نگین ہو یا اس اجنبی مرد کی ایک اور بیوی ہو یعنی اس عورت کی سوکن موجود ہو تو پھر بچہ اس عورت کی حضانت اور پرورش سے لیا جائے گا اور اس کا حق حضانت ساقط ہو جائے گا۔

ماں کے غیر محرم مرد سے نکاح کرنے کی صورت میں اس کے حق حضانت کا ساقط ہو جانا نابالغ کے ضرر کو دور کرنے کی غرض سے ہے لہٰذا قاضی و مفتی کو چاہئے کہ صاحب بصیرت ہو اور بچے کی مصلحت کا لحاظ رکھے کیونکہ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بچے کا قریبی رشتہ دار اس بچے سے بغض رکھتا ہے اور اس کی موت کا طلبگار ہوتا ہے اور کبھی اس ماں کا اجنبی شوہر اس بچے کے لئے مشفق ہوتا ہے اور اس پر بچے کی جدائی

شاق گذرتی ہے کیونکہ کبھی قریبی رشتہ دار بچے کو لینے کا ارادہ اس غرض سے کرتے ہیں کہ اس کو اور اس کی والدہ کو تکلیف پہنچائیں یا اس غرض سے بچے کو لینے کا ارادہ کرتا ہے کہ وہ اس کے نفقے سے کھائے گا یا اس طرح کچھ اور اغراض و مفادات اس کے لینے سے وابستہ ہوں۔

جب مفتی یا قاضی ان تمام باتوں سے واقف ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ اس بچے کو ماں سے جدا نہ کرے کیونکہ اس معاملے میں بچے کی حضانت کا مدار بچے کی منفعت پر ہے۔

پاکستان میں بچوں کی حضانت کے سلسلے میں رائج الوقت قانون گارجین اینڈ وارڈز ایکٹ ۱۹۲۵ء نافذ ہے لیکن یہ قانون مسلمانوں کی معاشرتی ضروریات پر پورا نہیں اترتا اس کمی کو ہماری عدالتوں کے فیصلوں نے کسی حد تک پورا کیا ہے البتہ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان عدالتی فیصلوں کی روشنی میں اور مسلم ممالک میں رائج الوقت قوانین کی مدد سے حضانت کا ایک جامع قانون مرتب کر کے مقنّنہ سے منظور کرالیا جائے تو اس سے مسلمانوں کی عائلی زندگی کے اہم پہلو سے متعلق بہت ساری الجھنیں دور ہونے میں مدد ملے گی۔

نفقہ دینے میں اولاد کے درمیان برابری لازم ہے یا نہیں

فقہاء کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ اولاد کے ساتھ برابری کرنا ان عطایا و ہبات میں مستحب ہے جو ان کی ملک کردی جائیں، باقی رہا نفقہ یعنی ماکول مشروب اور ملبوس میں بقدر حاجت متفق علیہ جو کہ مقدار واجب ہے نفقہ کی اس میں تسویہ واجب نہیں، اگرچہ وہ تملیکاً ہو اسی طرح قدر واجب سے زائد نفقہ میں اگرچہ وہ بطور ہبہ کے نہ ہو بلکہ بطور اباحت یا عاریت ہو اس میں بھی تسویہ لازم نہیں۔ بلکہ آپ کو اختیار ہے جیسا چاہے کھلائے اور جیسا چاہے پہنائے، البتہ اگر بطور ہبہ قدر واجب سے زائد نفقہ دیا

جائے تو اس میں تسویہ اور برابری مستحب ہے اسی طرح اگر بطور اباحت نفقہ سے زائد دے رہا ہے لیکن اگر اس میں بھی تفضیل سے اولاد میں وحشت وکراہت کا اندیشہ ہو تو اس میں بھی تسویہ مستحب ہوگا۔

اسی طرح کسی آدمی کے دو بیٹے ہیں ایک بڑا اور ایک چھوٹا. تو ان دونوں کے درمیان نفقہ واجبہ میں کمی وزیادتی بلاکراہت جائز ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے "ردالمحتار" میں لکھا ہے:

"وروی المعلی عن أبی یوسف أنه لا بأس به اذا لم یقصد الاضرار والا سوی بینهم وعلیه الفتویٰ."

(ردالمحتار: ج٤، ص٤٤٤، ایچ ایم سعید)

کیونکہ نفقہ واجبہ ہر بیٹے کے لئے بقدر کفایت مقرر ہے اور اس صورت میں دونوں کی قدر کفایت جدا جدا ہے اس لئے رعایت تسویہ ضروری نہیں۔ اسی طرح ایک لڑکا مالدار ہے جبکہ دوسرا غریب ہے تو نفقہ واجبہ میں تسویہ ضروری نہیں کیونکہ ہر ایک کی الگ الگ قدر کفایت ہے اگر دونوں کی قدر کفایت ایک جیسی ہو اس کے باوجود بھی غریب کو زیادہ دینا جائز ہے جبکہ مقصود غریب کو نفع پہنچانا ہو اور دوسرے کا اضرار مقصود نہ ہو۔

اسی طرح ایک کالج میں پڑھ رہا ہو اور دوسرا کسی مدرسے میں، تو دیکھا جائے گا کہ دونوں کا نفقہ متفاوت ہے یا نہیں، اگر متفاوت ہے تو کمی وزیادتی میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر متفاوت نہ ہو تو محض کالج میں پڑھنا یا یونیورسٹی میں پڑھنا یا اسکول میں پڑھنا زیادت استحقاق کا سبب نہیں بن سکتا۔

اس صورت میں مستحب یہ ہے کہ دونوں کا نفقہ واجبہ سے زائد میں برابر رکھا جائے جس کی سہل صورت یہ ہے کہ جتنی رقم کالج والے کو زائد دی جاتی ہے اسی کے برابر دوسرے کیلئے تملیک کے بعد رقم جمع کردی جائے یا اس کو محفوظ رکھ کر آئندہ برابری

کا قصد رکھا جائے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ رملی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"فتجب على الاب كفايتها بدفع القدر المعجوز عنه."

(ردالمحتار: ج۳، ص۶۱۲، ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فنفقة الاقارب مقدرة بالكفاية بلاخلاف لانها تجب للحاجة فتقدر بقدر الحاجة."

(بدائع الصنائع: ج٤، ص۳۸، مطبوعہ ایچ ایم سعید)

جہاں تک شادی کا معاملہ ہے تو شادی میں جو خرچہ ہوتا ہے وہ محض تبرع اور ہبہ ہے اس لئے اس میں اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ اس کی رعایت رکھی جائے کہ ایک لڑکے کی شادی میں جتنا خرچ ہوا اتنا ہی دوسرے لڑکے کی شادی میں خرچ کیا جائے اسی طرح جتنا ایک لڑکی کو جہیز دیا جائے اتنا ہی دوسری لڑکی کو جہیز دیا جائے یعنی ذکور کو ذکور کے برابر اور اناث کو اناث کے برابر رکھا جائے یہ رعایت اس خرچ میں مستحب ہے جو والد اپنے اختیار سے کرتا ہے۔

اگر والد وفات پا گیا ہے اور یہ بچے دوسرے شخص کی پرورش میں ہیں تو جس کی پرورش میں ہوں وہ ان کے لئے بمنزلہ باپ کے ہے اس کے لئے بھی تسویہ مستحب ہے اور جن کی پرورش میں نہ ہوں ان پر یہ تسویہ لازم نہیں البتہ اگر دادا، دادی، نانا، نانی ایک کی اولاد کو کم دیں اور دوسرے کی اولاد کو زائد دیں یا ایک کی اولاد کو دیں دوسرے کی اولاد کو بالکل نہ دیں اور اس تفضیل سے باہم توحش ونفرت پیدا ہونے کا اندیشہ ہو تو قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ رعایت تسویہ ان پر بھی لازم ہے یعنی استحباباً اس لئے کہ عرفاً نواسوں اور پوتوں کو دینا اپنے بیٹے یا بیٹی کو دینا شمار ہوتا ہے۔ چونکہ یہ تسویہ حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے جبکہ قصد اضرار نہ ہو اس لئے جتنی سہولت ہو سکے تو وہ رعایت تسویہ کا خیال رکھیں۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وفی الخانية ولا بأس بتفضيل بعض الاولاد فی المحبة لانها عمل القلب وكذا فی العطايا ان لم يقصد به الاضرار وان قصده يسوى بينهم يعطى البنت كالا بن."

(ردالمحتار: ج۵، ص۶۹۶، ایچ ایم سعید)

وفی الخلاصة:

"رجل له ابن وبنت واراد أن يهب لهما شيئًا فالا فضل ان يجعل للذكر مثل حظ الانثيين عند محمد وعند ابی يوسف بينهما سواء هو المختار لو رودالآثار ولو اعطى بعض ولده شيئًا دون البعض لزيادة رشده لا بأس به وان كانا سواء لاينبغی ان يفضل." (خلاصة: ج۴، ص۴۰۰)

اسی طرح صاحب بدائع علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"وينبغی للرجل ان يعدل بين اولاده فی ...... لقوله تعالىٰ: انّ اللّٰه يأمركم بالعدل والاحسان."

(بدائع الصنائع ج۳، ص۱۲۷، ایچ،ایم،سعید)

اسی طرح علامہ شامی رحمہ اللہ "ردالمحتار" میں لکھتے ہیں:

"أقول: حاصل ما ذكره فی الرسالة المذكورة أنه ورد فی الحديث أنه صلی اللّٰه عليه وسلم قال "سووابين أولادكم فی العطيه ولو كنت موثراً أحدا لاثرت النساء على الرجال" رواه سعيد فی سننه وفی صحيح مسلم من حديث النعمان بن بشير "اتقوا اللّٰه واعدلوا فی أولادكم" فالعدل من حقوق الاولاد فی العطايا والوقف عطية فيسوى بين الذكر والأنثى، لانهم فسروا العدل فی

الأولاد بالتسوية فی العطایا حال الحیاة."

(ردالمحتار: ج٤، ص٤٤٤، ایچ ایم سعید)

اسی طرح "الفقه الاسلامی وأدلته" میں ہے:

"لاخلاف بین جمهور العلماء فی استحباب التسویة فی العطاء بین الأولاد، وکراهة التفضیل بینهم فی حال الصحة کما تقدم واختلفوا فی بیان المراد من التسویة المستحبة، فقال أبو یوسف من الحنفیه، والمالکیة والشافعیه وهو رأی الجمهور: یستحب للأب أن یسوی بین الأولاد الذکور والأناث فی العطیة فتعطی الأنثی مثل ما یعطی الذکر، لقوله صلی اللّٰه علیه وسلم: سووا بین أولادکم فی العطیة، ولو کنت مؤثراً احداً لا ثرت النساء علی الرجال رواه سعید بن منصور فی سننه والبیهقی باسناد حسن وفی روایة للبخاری "اتقوا اللّٰه واعدلوا بین أولادکم" ولأن العدل فی القسمة والمعاملة مطلوب، وقد حملوا الأمر فی هذه الأحادیث علی الندب."

(الفقه الاسلامی وأدلته: ج٥، ص٤٠١٢، مطبوعہ کوئٹہ)

کیا والدہ پرورش کے دوران دودھ پلانے کی اُجرت طلب کرسکتی ہے

عورت چاہے منکوحہ ہو یا مطلقہ اس پر دیانۃً بچہ کو دودھ پلانا اور پرورش کرنا لازم ہے لہٰذا مطلقہ زمانہ عدت میں نہ دودھ پلانے کی اجرت طلب کرسکتی ہے اور نہ ہی پرورش کی اُجرت طلب کرسکتی ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

”وان استاجر وهی زوجته او معتدته لترضع ولدها لم يجز لان الارضاع مستحق عليها ديانة قال اللّٰه تعالٰی ”والوالدات يرضعن اولادهن“.“

(هداية اولين. ص۴۲۱، ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”(قوله: لايستأجر الأب أمه الخ) علله فی الهداية بان الارضاع مستحق عليها ديانة بقوله تعالٰی والوالدات يرضعن: فلا يجوز أخذ الأجر عليه .... قلت وتحقيقة أن فعل الارضاع واجب عليها ومؤنته على الاب لأنها من جملة نفقة الولد ففی حال الزوجية والعدة هو قائم بتلك المؤنة لا بعد البينونة.“

(ردالمحتار: ج۳، ص۶۱۹، ایچ ایم سعید)

اسی طرح عالمگیری میں ہے:

”وان استأجرها وهی زوجته أو معتدته عن طلاق رجعی لترضع ولدها لم يجز كذا فی الكافی.“

(عالمگیریہ: ج۱، ص۵۶۱، بيروت)

اسی طرح ”الفقه الاسلامی وأدلته“ میں ہے:

”وقال الحنفية: لا تستحق الحاضنة أجرة على الحضانة اذا كانت زوجة أو معتدة لأبی المحضون فی أثناء العدة، سواء عدة الطلاق الرجعی أو البائن فی الأوجه، كمالا تستحق أجراً على الارضاع لوجوبهما عليها ديانة ولانها تستحق النفقة فی أثناء الزوجية والعدة وتلك النفقة

كافية للحضانة."

(الفقه الاسلامی وأدلته: ج١٠، ص٧٣١٤، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح "الفقه الحنفي وأدلته" میں ہے:

"فان كان الصغير رضيعا فليس على أمه أن ترضعه، الا اذا تعينت عليها الرضاعة بان لم يجد غيرها، أولا يأخذ من لبن غيرها، فيجب عليها حينئذ، صيانة للصغير عن الهلاك: قال تعالىٰ: والوالدات يرضعن اولادهن: (البقرة: ٢٣٣)" (الفقه الحنفي وأدلته: ج٢، ص٢٥٧، ادارة القرآن)

اسی طرح علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"(والوالدات يرضعن اولادهن) الثالثة، واختلف الناس فى الرضاع هل هو حق للأم أو هو حق عليها واللفظ محتمل .... ولكن هو عليها فى حال الزوجية .... وعليها ان لم يقبل الولد غيرها واجب."

(تفسیر قرطبی: ج٣، ص١٦١، مطبوعہ بیروت)

اسی طرح ڈاکٹر وہبہ الزحیلی اپنی "تفسیر منیر" میں تحریر فرماتے ہیں:

"وعلى الوالد كفاية المرضع من طعام وكسوة، للقيام بحق الولد وأجرة لها على الإرضاع، واستئجار الأم غير جائز مادامت فى الزواج أوالعدة."

(تفسیر المنیر: ج٢، ص٣٦٠، مطبوعہ مکتبہ غفاریہ کوئٹہ)

اسی طرح حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ "بیان القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں۔ مسئلہ: ماں دودھ پلانے کی اجرت مانگتی ہو سو اگر شوہر کے نکاح میں ہے یا یہ کہ طلاق ہوگئی لیکن عدت نہیں گزری ان دونوں حالتوں میں اجرت لینا جائز نہیں بلکہ

قضاء مجبور کی جائے گی کہ وہ بلا اجرت دودھ پلائے ولا مولود لہ میں یہ مسئلہ داخل ہے۔

(بیان القرآن: ج ا،ص ۱۴۱)

اسی طرح حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ "معارف القرآن" میں تحریر فرماتے ہیں۔

بارہواں حکم: رضاعت یعنی بچے کو دودھ پلانے کی اجرت جب تک عورت شوہر کے نکاح میں ہے اس وقت تک بچہ کو دودھ پلانا خود ماں کے ذمہ بحکم قرآن واجب ہے: والوالدات یرضعن اولادھن اور جو کام کسی کے ذمہ واجب ہو اس پر معاوضہ لینا رشوت کے حکم میں ہے جس کا لینا بھی ناجائز ہے اور دینا بھی۔

(معارف القرآن: ج ۸،ص ۴۹۱،سورۃ الطلاق)

البتہ عدت کے بعد اگر ماں مجانا (مفت) پرورش کے لئے تیار نہ ہو اور وہ پرورش اور دودھ پلانے کا معاوضہ طلب کرلے اور باپ مالدار ہے تو باپ کو معاوضہ دینا ہوگا البتہ اگر باپ تنگ دست ہے اور بچے کی پھوپھی وغیرہ مفت پرورش کے لئے تیار ہوں تو پھوپھی وغیرہ کو حق حضانت حاصل ہوگا۔ ماں کا حق ساقط ہوگا ہاں اگر ماں اپنے بچے سے ملنا چاہے تو پرورش کرنے والی کو چاہئے کہ بطیّب خاطر اسے ملاقات کا موقع دیتی رہے قرآن مجید میں ہے: فان ارضعن لکم فأتوھن.

چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"لا بعد البینونة فتجب علیه بعدها وان وجب علی الأم ارضاعه لقوله تعالٰی: لا تضار والدة بولدها فان إلزامها بارضاعه مجانا مع عجزها وانقطاع نفقتها عن الاب مضارة لها، فساغ لها أخذ الأجرة بعد البینونة لانها لا تجبر علی ارضاعه قضاء. (ردالمحتار: ج ۳، ص ۶۱۹، ایچ ایم سعید)

اسی طرح عالمگیری میں ہے:

"المعتدة عن طلاق بائن اوطلقات ثلاث فی روایة ابن

زیاد تستحق أجر الرضاعة وعلیه الفتویٰ.“

(عالمگیریہ: ج۱، ص۵٦١، بیروت)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ اپنی کتاب ”البحر الرائق“ میں لکھتے ہیں:

”الأم أحق بارضاع ولدها من الاجنبیة بعد انقضاء العدة مالم تطلب أجرة زائدة علی أجرة الاجنبیة للارضاع فحینئذٍ لاتکون أحق وانما جاز لها أخذ الأجرة بعد انقضاء عدتها لان النکاح قد زال فی الکلیة وصارت کالاجنبیة.“ (البحر الرائق: ج٤، ص٢٠٣، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح ”الفقه الاسلامی وأدلته“ میں ہے:

”اما بعد انقضاء العدة فتستحق أجرة الحضانة، لانها أجرة علی عمل.“ (الفقه الاسلامی وأدلته: ج١٠، ص٧٣١٤، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ فخر الدین بن عثمان الزیلعی اپنی کتاب ”تبیین الحقائق“ میں لکھتے ہیں:

”اذا کانت معتدة عن طلاق بائن جازا استیجارها لان النکاح قد زال فالتحقت بالاجانب.“

(تبیین الحقائق: ج٣، ص٦٣، مطبوعہ حقانیہ ملتان)

اسی طرح ”بیان القرآن“ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہے:

اگر (عدت کے بعد) وہ (مطلقہ) عورتیں (جبکہ پہلے سے بچہ والیاں ہوں یا بچہ ہی پیدا ہونے سے ان کی عدت ختم ہوئی ہو) تمہارے لئے (بچہ کو اُجرت پر) دودھ پلادیں تو تم ان کو (مقررہ) اجرت دو اور (اجرت کے بارے میں) باہم مناسب طور پر مشورہ کرلیا کرو (یعنی نہ تو عورت اس قدر زیادہ مانگے کہ مرد کو دوسری انّاؤ کھونڈنی پڑے اور نہ مرد کو اس قدر کم دینا چاہئے کہ عورت کا کام نہ چل سکے بلکہ حتی الامکان

دونوں اس کا خیال رکھیں کہ ماں ہی دودھ پلائے بچہ کی اس میں زیادہ مصلحت ہے) اور اگر تم باہم کشمکش کرو گے تو دوسری عورت دودھ پلائے گی۔

(بیان القرآن۔ج۴،ص۱۸،سورۃ الطلاق)

اسی طرح علامہ قرطبی رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"وأما المطلقة طلاق بينونة فلا رضاع عليها، والرضاع على الزوج إلا أن تشاء هى فهى أحق بأجرة المثل."

(تفسیر قرطبی: ج۳، ص۱۶۱، مطبوعہ بیروت)

اسی طرح علامہ جصاص رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وفى هذه الآيت دلالة على جواز استيجار الظئر بطعامها وكسوتها لان ما اوجبه الله تعالىٰ فى هذه الأية للمطلقة هى أجرة الرضاع وقد بين ذلك بقوله تعالىٰ: فان ارضعن لكم فاتوهن اجورهن."

(احكام القرآن للجصاص، ج۱، ص۴۰٤، مطبوعہ لاہور)

اسی طرح علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وان كانت مطلقة فنفقة الرضاع مستحقة بظاهر الآية، لانه أوجبها بالرضاع، وليست فى هذه الحال زوجة ولا معتدة منه .... وتكون النفقة المستحقة أجرة الرضاع."

(احكام القرآن للتهانوى. ج۱، ص۵٤۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن)

والدین کا نفقہ

جس طرح اولاد کا نفقہ والدین پر ہے بالکل اسی طرح بالغ اولاد پر واجب ہے

کہ اپنے والدین کو نفقہ دیں جبکہ وہ حاجت مند ہوں۔قرآن مجید میں ہے:

﴿وقضی ربّك الّا تعبدوا الّا ایّاه وبالوالدین احسانًا.﴾

(سورة بنی اسرائیل: ۲۳)

اور حکم دیا تیرے رب نے یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو۔لہٰذا والدین کو حالت فقر میں نفقہ دینا سب سے بڑا احسان ہے۔اسی طرح دوسری آیت میں ہے:

﴿ووصّینا الانسان بوالدیه احسانًا.﴾ (سورة الاحقاف: ۱۵)

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے:

﴿وصاحبهما فی الدّنیا معروفًا.﴾ (سورة لقمان: ۱۵)

علامہ کاسانی رحمہ اللہ اس آیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وهذا فی الوالدین الكافرین فالمسلمان أولی والانفاق علیهما عند الحاجة من اعرف المعروف."

(بدائع الصنائع: ج۴، ص۳۰، مطبوعہ ایچ ایم سعید)

یہ تو کافر ماں باپ کے بارے میں نازل ہوئی ہے لہٰذا مسلمان ماں باپ کے ساتھ بطریقہ اولیٰ معروف طریقے سے رہنا چاہئے اور ماں باپ جبکہ حاجت مند ہوں تو اس وقت والدین پر نفقہ کرنا سب سے زیادہ معروف طریقہ ہے۔اسی طرح علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں:

"روی عن جابر بن عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه أن رجلا جاء الی رسول اللّٰه صلی الله علیه وسلم ومعه أبوه فقال یا رسول اللّٰه ان لی مالا وان لی ابا وله مال وان ابی یرید أن یاخذ مالی فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم أنت ومالك لابیك: اضاف مال الا بن الی الاب بلام التملیك

وظاهره يقتضى أن يكون للاب فى مال ابنه حقيقة الملك فان لم تثبت الحقيقة فلا أقل من أن يثبت له حق التمليك عند الحاجة: وروى عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال ان أطيب ما يأكل الرجل من كسبه وان ولده من كسبه فكلوا من كسب أولادكم.

(بدائع الصنائع: ج٤، ص٣٠، مطبوعہ ایچ ایم سعید)

اسی طرح اصول میں دادا، دادی، نانا، نانی ''وان علا'' سب اصول میں داخل ہے۔ لہٰذا جب بیٹا مالدار ہو تو اس پر محتاج آباء واجداد کا نفقہ واجب ہوتا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

''ویجبر الولد الموسر على نفقة الابوين المعسرين.''

(فتاویٰ عالمگیریہ: ج١، ص٥٦٤، بیروت)

اسی طرح صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

''(وعلى الرجل أن ينفق على ابويه واجداده وجداته اذا كانوا فقراء) يدخل فيه الجد لاب والجد لام وان علوا وفى جداته جداته لابيه وجداته لامه وان علون.''

(فتح القدير: ج٤، ص٢٢٠، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''(وقوله ولا يشارك الاب والولد فى نفقة ولده وأبويه احد) .... وأما نفقة الوالدين فلان لهما تاويلا فى مال الولد بالنص ولا تاويل لهما فى مال غيره ولانه اقرب الناس اليهما فكان الاولى باستحقاق نفقتهما عليه.''

(البحر الرائق: ج٤، ص٢٠٨، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح "الفقه الاسلامی وأدلته" میں ہے:

"تجب نفقة الوالدين وان علوا عند الجمهور ......
والاصول الذين تجب نفقتهم عند الجمهور: هم الآباء والاجداد والأمهات والجدات وان علوا. ...."

(الفقه الاسلامی وأدلته: ج۱۰، ص۷۴۲۰، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح "الفقه الحنفي وأدلته" میں ہے:

"ويجب على الرجل الموسر أوالمرأة الموسرة أن ينفق على أبويه وأجداده وجداته، سواء كانوا من قبل الأب أو الأم اذا كانوا فقراء."

(الفقه الحنفي وادلته: ج۲، ص۲۵۷، مطبوعہ ادارۃ القرآن)

شریعت نے آباء و اجداد کے نفقے میں محتاجی کی شرط اس لئے لگائی ہے کہ اگر ان کا اپنا مال موجود ہو تو ان کے نفقے کا وجوب دوسرے کے مال میں قائم ہونے کی نسبت اپنے مال میں قائم ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔

کیا اختلاف دین کی صورت میں بیٹے پر باپ کا نفقہ لازم ہے

اختلاف دین نفقہ واجب ہونے میں مانع نہیں ہوتا کیونکہ آیات قرآنی مطلق ہیں کہ دنیا میں والدین کے ساتھ اعتدال اور خوش اسلوبی کے طور پر رہو، جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ والدین خواہ مسلمان ہوں یا کافر، ان کے ساتھ اعتدال کا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ "فتاویٰ عالمگیریہ" میں ہے:

"ويجبر الولد الموسر على نفقة الابوين المعسرين مسلمين كانا أوذميين .... بخلاف الحربين المستأمنين. (فتاویٰ عالمگیری: ج۱، ص۵۶٤، بیروت)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ "البحر الرائق" میں رقم طراز ہیں:

"(ولا تجب مع اختلاف الدين الا بالزوجية والولاد) .... اطلق فى الولاد فشمل الابوين والاجداد والجدات والولد و ولد الولد."

(البحر الرائق: ج٤، ص٢٠٨، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح صاحب فتح القدیر لکھتے ہیں:

"(وان خالفوه فى دينه اما الا بوان فلقوله تعالٰى وصاحبهما فى الدنيا معروفا نزلت الآية فى الابوين الكافرين) بدليل ما قبله وهو قوله تعالٰى وان جاهداك على أن تشرك بى ما ليس لك به علم فلا تطعهما وصاحبهما فى الدنيا معروفا واتبع سبيل من اناب الى ففرض سبحانه مصاحبتهما بالمعروف وليس من المعروف أن يتركهما مع الجوع والعرى ويتقلب هو فى النعم." (فتح القدير: ج٤، ص٢٢١، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح "الفقه الاسلامى وأدلته" میں ہے:

"وقال الحنفية ...... إلا انهم مع المالكية والشافعية يقولون: اتحاد الدين ليس شرطًا لوجوب نفقة الاصل على الفرع، فتجب النفقة عليه وإن اختلف الدين لانه تعالٰى قال فى حق الوالدين الكافرين: وان جاهداك ...... الخ وليس من المعروف ترك الانفاق عليهما مع القدرة وهذا هو الصحيح."

(الفقه الاسلامى وأدلته: ج١٠، ص٧٤٢٢، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح شیخ سعد محمد سعید الصاغرجی اپنی کتاب "الفقه الحنفي وأدلته" میں لکھتے ہیں:

"ولا تجب النفقة مع اختلاف الدين إلا للزوجة، والأبوين والاجداد، والجدات، والولد، وولدالولد، لاطلاق النصوص" (الفقه الحنفي وأدلته: ج۲، ص۲۵۸، مطبوعہ ادارہ القرآن)

لیکن اگر یہ لوگ ایسے کافر ہیں کہ وہ میدانِ کارزار میں مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہیں اور کفار کی حمایت ونصرت کرتے ہیں تو اس صورت میں اولاد پر والدین کا نفقہ واجب نہیں کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے ساتھ دین کے بارے میں لڑائی کرے یا لڑائی کرنے والوں کی نصرت کرے تو اسلام ایسے لوگوں کے ساتھ خواہ وہ کوئی بھی ہو احسان کرنے سے منع کرتا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ اپنی کتاب "ردالمحتار" میں لکھتے ہیں:

"إلا أنهم اذا كانوا حربيين لا تجب نفقتهم على المسلم وان كانوا مستأمنين لأننا نهينا عن البر في حق من يقاتلنا في الدين." (ردالمحتار: ج۳، ص۶۳۱، ایچ ایم سعید)

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ويجبر الولد الموسر على نفقة الابوين المعسرين مسلمين كانا أو ذميين قدرا على الكسب أولم يقدر بخلاف الحربيين المستأمنين."

(عالمگیریہ: ج۱، ص۵۶۴، مطبوعہ بیروت)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "بحرالرائق" میں لکھتے ہیں:

"الا انهم اذا كانوا حربيين لا تجب نفقتهم على المسلم وان كانوا مستأمنين لانا نهينا عن البر في حق

من يقاتلنا فی الدين."(البحر الرائق ج٤ ص٢٠٨، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ زیلعی رحمہ اللہ "تبیین الحقائق" میں لکھتے ہیں:

"الا أنه لا يجب علی المسلم نفقة أبويه الحربيين ولا يجبر الحربی علی انفاق ابيه المسلم أو الذمی لان الاستحقاق بطريق الصلة ولا تستحق الصلة للحربی للنهی عن برهم."(تبيين الحقائق: ج٣، ص٦٣، مطبوعہ حقانیہ ملتان)

والدین کے نفقے میں فرزند کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوگا مثلاً اگر ایک آدمی کے بچے موجود ہیں تو ان کے ساتھ والدین کے نفقے میں دیگر رشتہ دار شریک نہیں ہیں کیونکہ والدین کے واسطے اپنے فرزند کا مال ہے البتہ اگر وہ استحساناً تبرع کے طور پر دیں تو دے سکتے ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرزند کے مال کے بارے میں فرمایا کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کیلئے ہیں تو ظاہر ہے کہ غیر کے مال میں باپ کا حق ثابت نہیں ہوگا کیونکہ والدین کے حق میں ان کا فرزند سب سے زیادہ قریب ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ولا يشارك الولد الموسر أحدا فی نفقة أبويه المعسرين كذا فی العتابية." (فتاویٰ عالمگیریہ: ج١، ص٥٦٤ مطبوعہ بیروت)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"(قوله ولا يشارك الاب والولد فی نفقة ولده وأبويه أحد) .... ولأنه اقرب الناس اليهما فكان الاولى باستحقاق نفقتهما عليه."

(البحر الرائق ج٤، ص٢٠٨، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ فخر الدین زیلعی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

"(ولا يشارك الاب والولد فی نفقة ولده وأبويه أحد)......

ولأنه اقرب الناس اليهما فصا رأولى بايجاب النفقة عليهما." (تبيين الحقائق: ج۳، ص٦٤، مطبوعہ حقانیہ ملتان)

اسی طرح علامہ مرغینانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ولا يشارك الولد فى نفقة ابويه احداً لان لهما تاويلا فى مال الولد بالنص ولا تاويل لهما فى مال غيره ولانه اقرب الناس اليهما فكان اولى باستحقاق نفقتهما عليه.

(هدايه اوّلين: ج۲،۴۲۳، ایچ ایم سعید)

اسی طرح ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی نے "الفقه الاسلامى وأدلته" میں لکھا ہے:

"تجب نفقة الأصول على الولد لا يشاركه فى نفقة أبويه أحد: لانه أقرب الناس اليهما فكان أولى باستحقاق نفقتهما عليه" (الفقه الاسلامى وأدلته: ج۱، ص۷۴۲۳، مطبوعہ کوئٹہ)

کسی شخص کے دو یا زیادہ بچے ہیں تو اس صورت میں والدین کا نفقہ کس پر واجب ہوگا؟

اگر ایک شخص کے دو یا زیادہ بچے ہیں تو اس صورت میں فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ سب بچوں پر والدین کا نفقہ برابر برابر تقسیم ہوگا مثلاً والدین کے ایک مہینے کا خرچہ ایک ہزار روپے ہیں اور بچے دو ہیں تو پانچ سو روپے ایک بیٹے پر واجب ہوگا اور پانچ سو روپے دوسرے بیٹے پر واجب ہوگا۔ کیونکہ وجوب نفقہ کا سبب ولاء اور قرابت ہے جو دونوں میں برابر موجود ہیں، خواہ ایک بڑا ہو اور دوسرا چھوٹا ہو، چھوٹے اور بڑے کا اعتبار نہیں البتہ اگر ایک مالدار ہو اور دوسرا غریب تو اس صورت میں تفاوت ہوسکتی ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"والمعتبر فيهم القرب والجزئية: أی القرب بعد الجزئية دون الميراث كما علمت، ففی ولدين لمسلم فقير ولو أحدهما نصرانيا أوأنثی تجب نفقته عليهما سوية ذخيرة للتساوی فی القرب والجزئية وإن اختلفا فی الإرث."

(ردالمحتار: ج۳، ص۶۲۴، ایچ ایم سعید)

اسی طرح فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"واذا اختلطت الذكور والاناث فنفقة الابوين عليهما علی السوية فی ظاهر الرواية وبه اخذ الفقيه أبو الليث وبه يفتی." (فتاویٰ عالمگیریہ: ج۱، ص۵۶۴، مطبوعہ بیروت)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وفی الخانية فان كان للفقير ابنان احدهما فائق فی الغنی والآخر ملك نصابا كانت النفقة عليهما علی السواء وكذا لو كان أحدهما مسلما والآخر ذميا فهی عليهما علی السواء ...... ونقل عن الحلوانی انه قال قال مشايخنا هذا اذا تفاوتا فی اليسار تفاوتا يسيرا اما اذا تفاوتافيه تفاوتا فاحشا يجب ان يتفاوتا فی قدر النفقة."

(البحرالرائق: ج۴، ص۲۰۶، مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ کاسانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"ولو كان له ابنان فنفقته عليهما علی السواء وكذا اذا كان له ابن وبنت ولا يفضل الذكر علی الانثی فی النفقة لاستوائها فی سبب الوجوب وهو الولاد."

(بدائع الصنائع: ج۴، ص۳۲، مطبوعہ ایچ ایم سعید)

اسی طرح ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی "الفقه الاسلامی وأدلته" میں لکھتے ہیں:

"فان تعدد الفروع: فقال الحنفيه: إن اتحدت درجة قرابتهم كابنين أو بنتين أو ابن وبنت، وجبت النفقة بالتساوی بینهم، سواء أ كانوا وارثين أم بعضهم وارثا والآخر غير وارث، للتساوی فی القرب والجزئية، ولا ينظر الى أن الابن يأخذ ضعف البنت فی المیراث."

(الفقه الاسلامی وأدلته: ج۱۰، ص۷۴۲۳، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

بچوں کے مالدار اور غریب ہونے سے نفقہ میں فرق ہوگا یا نہیں؟

مثلاً ایک شخص ایسا ہے کہ اس کے دو بچے ہیں، ایک زیادہ کماتا ہے ایک کم یعنی ایک مالدار ہے اور ایک غریب تو اس صورت میں حسب استطاعت ہر بچہ نفقہ ادا کرے۔ اگر والد خود صاحب حیثیت ہو اور خود اتنا مال اس کے پاس ہو کہ اس کا گذارا ہوسکے تو پھر بچوں کے لئے یہ لازم نہیں، ہاں اپنی استطاعت کے موافق والد کی خدمت کرتے رہیں اور اس میں کوتاہی نہ کریں۔ والدین کو ناراضگی کا موقع نہ دیں، اگر والدین حسب استطاعت دینے پر راضی نہ ہوں اور زیادہ طلب کریں تو زیادہ نہ دینے پر مواخذہ نہیں۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وكذا لو كان للفقير ابنان أحدهما فائق فی الغنی والآخر يملك نصابا فهی عليهما سوية خانية .... ثم نقل عن الحلوانی قال قال مشايخنا: هذا لو تفاوتا فی اليسار تفاوتا يسيرًا، فلو فاحشا يجب التفاوت فيها بحر."

(ردالمحتار: ج۳، ص۶۲۳، مطبوعہ ایچ ایم سعید)

اسی طرح ''فتاویٰ عالمگیری'' میں ہے:

''قال الشیخ الامام شمس الائمة قال مشایخنا رحمهم الله تعالٰی انما تکون النفقة علیهما علی السواء اذا تفاوتا فی الیسار تفاوتا یسیرا وأما اذا تفاوتا تفاوتا فاحشا فیجب أن یتفاوتا فی قدر النفقة کذا فی الذخیرة.''

(فتاویٰ عالمگیریہ: ج۱، ص۵٦٥، مطبوعه بیروت)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ ''بحر الرائق'' میں رقم طراز ہیں:

''ونقل عن الحلوانی انه قال قال مشایخنا هذا اذا تفاوتا فی الیسار تفاوتا یسیرا أما اذا تفاوتا فیه تفاوتا فاحشا یجب ان یتفاوتا فی قدر النفقة.''

(البحرالرائق:ج٤، ص٢٠٦، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

فاسقہ والدہ کا نفقہ

اگر والدہ فاسقہ ہو مثلاً کسی سے ناجائز تعلق ہے بچہ اس کا نفقہ ادا کر رہا ہے لیکن کافی عرصہ سے نفقہ ادا کرنے کے بعد بیٹا کہتا ہے کہ میری والدہ کا تعلق کسی غیر فرد سے ہے تو کیا صرف اس وجہ سے والدہ کا نفقہ بند کیا جا سکتا ہے اور اس کو نفقہ سے محروم رکھا جا سکتا ہے؟

تو اس سلسلے میں فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس ناجائز تعلق کی وجہ سے والدہ کا نفقہ ساقط نہیں ہوگا بلکہ والدہ اگر ضرورت مند اور غریب ہو تو لڑکے کے ذمہ نفقہ واجب ہے اور لڑکے کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنی ماں سے تعلق قطع کرے اور اسے چھوڑ دے بلکہ اگر حقیقتاً کسی سے ناجائز تعلق ہے تو اصلاح کی کوشش کی جائے۔
اسی طرح اگر والدہ کسی اور گناہ میں مبتلا ہو اس گناہ کی وجہ سے والدہ کا نفقہ ساقط نہیں

ہوگا کیونکہ آیاتِ قرآنیہ اس پر دال ہیں کہ دنیا میں والدین کے ساتھ اعتدال اور خوش اسلوبی سے رہو۔ قوله تعالیٰ: وصاحبهما في الدنيا معروفا اسی طرح دوسری آیت میں ہے: وبالوالدين احسانا۔

چاہے ماں باپ کافر کیوں نہ ہو لہٰذا جب حالت کفر میں خوش اسلوبی سے ماں باپ کے ساتھ رہنے کا حکم ہے تو حالت اسلام میں بطریقہ اولیٰ یہ حکم ہے اگرچہ کسی گناہ میں مبتلا ہوں۔ اسی لئے فقہاء کرام رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ والدین کے نفقے کا سبب وجوب جزئیت اور قرابت ہے لہٰذا جہاں بھی یہ اسباب موجود ہوجائیں تو نفقہ واجب ہوگا۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ اپنی کتاب ردالمختار میں لکھتے ہیں:

"والمعتبر فيهم القرب والجزئية: أي القرب بعد الجزئية." (ردالمحتار: ج۳، ص۶۲۴، ایچ ایم سعید)

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "البحر الرائق" میں لکھتے ہیں:

"فلان الجزئية ثابتة وجزء المرء في معنى نفسه فكما لا تمتنع نفقة نفسه بكفره لا تمتنع نفقة جزئه."

(البحرالرائق: ج۴، ص۲۰۸، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ کاسانی رحمہ اللہ نے "بدائع" میں لکھا ہے:

"واما سبب وجوب هذه النفقة اما نفقة الولادة فسبب وجوبها هو الولادة لان به تثبت الجزئية والبعضية والانفاق على المحتاج احياء له ويجب على الانسان احياء كله وجزئه." (بدائع الصنائع: ج۴، ص۳۱، ایچ ایم سعید)

اسی طرح ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی لکھتے ہیں:

"وأما غيرها فلثبوت الجزئية، وجزء المرء في معنى نفسه، فكما لا تمتنع نفقة نفسه بكفر، لا تمتنع نفقة

جزئه، إلا ان هؤلاء اذا كانوا حربيين."

(الفقه الاسلامی وأدلته: ج۱۰، ص۷۴۲۸، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

سوائے ایک صورت کے کہ والدین حربیین ہوں یعنی ایسے کافر ہوں کہ وہ میدان میں مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہیں اور کفار کی حمایت و نصرت کرتے ہیں تو اس صورت میں اولاد پر والدین کا نفقہ واجب نہیں، اس کی تفصیل پہلے ہو چکی ہے۔

ضعیف والدین کا نفقہ

والدہ کے لئے کھانے کا انتظام کرنا اگرچہ شوہر کی بیوی پر شرعاً لازم و ضروری نہیں لیکن اگر اس کی ضعیفی و کمزوری کی وجہ سے شوہر کی بیوی خدمت کرے، کھانا پکائے تو یہ اس کی سعادتمندی ہوگی اور یہ خدمت اس کے لئے باعث اجر و ثواب ہوگی لیکن اس کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً جبکہ اس کے لئے کوئی عذر ہو مثلاً بیمار ہو کہ گھر کا کام کاج اس کے لئے ناقابل برداشت ہو۔ البتہ شوہر پر لازم ہے کہ اپنی ضعیفہ والدہ اور ضعیف والد کے لئے کھانے کا انتظام کرے، اگر اسے خادم یا خادمہ کی ضرورت ہو تو خادم کا بھی انتظام کرے تاکہ اس کے والدین کو خود کوئی تکلیف نہ اٹھانا پڑے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وأنه اذا احتاج أحدهما لخادم وجبت نفقته كما وجبت نفقة المخدوم فكان من جملة نفقته، واذا لم يحتج اليه فلا تجب عليه، فاعلم ذلك واغتنمه فانه كثير الوقوع، والله سبحانه وتعالى اعلم."

(ردالمحتار: ج۳، ص۶۱۶، ایچ ایم سعید)

اسی طرح "فتاویٰ عالمگیری" میں ہے:

"الا أن يكون بالاب علة لايقدر على خدمة نفسه

ويحتاج الى خادم يقوم بشأنه ويخدمه فحينئذٍ يجبر الابن على نفقة خادم الاب منكوحة كانت أو أمة كذا في المحيط." (فتاویٰ عالمگیریہ: ج۱، ص۵۶۵، مطبوعہ بیروت)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "البحر الرائق" میں رقمطراز ہیں:

"يجب للاب والام على الولد من طعام وشراب وكسوة و سكنى حتى الخادم قال فى الخانية وكما يجب على الابن الموسر نفقة والده الفقير تجب عليه نفقة خادم الاب امرأة كانت الخادم أو جارية اذا كان الاب محتاجًا الى من يخدمه." (البحرالرائق: ج٤، ص٢٠٦، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ زیلعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وذكر الخصاف أن نفقة خادم الاب لاتجب على الابن الا اذا كان محتاجا اليه."

(تبيين الحقائق: ج٣، ص٦٤، مطبوعہ حقانیہ ملتان)

اسی طرح علامہ کاسانی رحمہ اللہ بدائع الصنائع میں رقم طراز ہیں:

"فان كان للمنفق عليه خادم يحتاج الى خدمته تفرض له أيضًا لان ذلك من جملة الكفاية."

(بدائع الصنائع: ج٤، ص٣٨، مطبوعہ ایچ ایم سعید)

ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی اپنی کتاب "الفقه الاسلامى وأدلته" میں لکھتے ہیں:

"نفقة القرابة فى الجملة تجب بقدر الكفاية كما تقدم لانها تجب للحاجة فقدرت بالكفاية."

(الفقه الاسلامى وأدلته: ج١٠، ص٧٤٢٤ مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح "الفقه الحنفى وأدلته" میں ہے:

"ویجب علی الابن نفقة خادم الاب، اذا احتاج إلیه لأن خدمة الأب مستحقة علی الابن فکذا نفقة من یخدمه."

(الفقه الحنفی وأدلته: ج۲، ص۲۵۹، ادارۃ القرآن)

اگر بیٹا غائب ہو اور والدین محتاج ہوں تو کیا بیٹے کے مال سے والدین اپنا نفقہ لے سکتے ہیں

اگر بیٹا غائب ہو اور اس کے والدین محتاج ہوں تو اس میں کئی صورتیں بن سکتی ہیں۔ پہلی صورت یہ ہے کہ اگر بیٹے کا مال موجود ہو تو دو حال سے خالی نہیں، مال یا تو عروض ہو یا زمین۔ اگر عروض ہو تو اسے فروخت کر کے والدین کا بقدر حاجت نفقہ ادا کیا جا سکتا ہے، اگر زمین ہو تو اس کو فروخت نہیں کیا سکتا ہے۔ والدین کے نفقے کے لئے۔ چنانچہ صاحب "درمختار" لکھتے ہیں:

"(یبیع الاب ...... عرض ابنه) الکبیر الغائب لا الحاضر اجماعا (لاعقاره)" (درمختار: ج۳، ص۶۳۱، ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ مرغینانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"واذا کان للابن الغائب مال قضی فیه بنفقة ابویه ...... واذا باع أبوه متاعه فی نفقته جاز عند ابی حنیفة وهذا استحسان وان باع العقار لم یجز."

(هدایه اوّلین: ص۴۲۴، مطبوعہ ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ زیلعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اذا کان الابن غائبا والاب فقیر جازله ان یبیع العروض من مال ولده للنفقة ولا یجوز له أن یبیع العقار وهو استحسان." (تبیین الحقائق: ج۳، ص۶۴، مطبوعہ حقانیہ ملتان)

دوسری صورت یہ ہے کہ غائب بیٹے کا مال کسی کے پاس بطور امانت رکھا گیا ہے تو قاضی کے حکم سے والدین کا نفقہ اسی مال سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ اگر امین نے بغیر امر قاضی کے ان کے والدین پر خرچ کیا تو اس صورت میں امین پر ضمان آئے گا۔

چنانچہ صاحب درمختار لکھتے ہیں:

”(ضمن مودع الابن لو أنفق الوديعه على ابويه) وزوجته واطفاله (بغير امر) مالك (أوقاض) إن كان والا فلا ضمان.“ (درمختار: ج۳، ص۶۳۲، مطبوعہ ایچ ایم سعید)

اسی طرح صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

”وان كان له مال فى يد اجنبى فانفق عليهما بغير اذن القاضى ضمن لانه تصرف فى مال الغير بغير ولاية ...... بخلاف ما اذا امره القاضى لان امره ملزم لعموم ولايته.“ (هدايه اوّلين: ص۴۲۵، مطبوعہ ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”(قوله ولو انفق مودعه على أبويه بلا أمر ضمن) أى المؤدع ما انفقه لانه تصرف فى مال الغيز بلاولاية ولانيابة ...... وقيد بكونة بلا أمر لانه لو كان بامر الغائب فلا اشكال وكذا اذا كان بامر القاضى لان أمره ملزم لعموم ولايته.“ (البحر الرائق: ج۴، ص۲۱۳، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ زیلعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”لو أنفق مودع الغائب على ابوى الغائب بغير امر القاضى ضمن المودع لتصرفه فى مال غيره من غير ولاية ولانيابه بخلاف ما اذا أمره القاضى لانه ملزم

لولايته عليه." (تبیین الحقائق: ج۳، ص٦٥، مطبوعہ حقانیہ ملتان)

تیسری صورت یہ ہے کہ مال والدین کے پاس موجود ہے تو اگر وہ نفقہ کی جنس میں سے ہو تو والدین اپنے نفقہ میں خرچ کر سکتے ہیں اور والدین پر ضمان نہیں آئے گا کیونکہ والدین کا نفقہ بیٹے پر واجب ہے۔

چنانچہ صاحب درمختار لکھتے ہیں:

"(و) الأبوان (لو انفقاما عندهما) لغائب (من ماله على انفسهما وهو من جنسه) أى جنس النفقة (لا) لا يضمنان لوجوب نفقة الولاد."

(درمختار: ج۳، ص٦٣٢، ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"(قوله ولو أنفقا ما عندهمالا) أى لا ضمان عليهما لانهما استوفيا حقهما لان نفقتهما واجبة قبل القضاء."

(البحرالرائق: ج٤، ص٢١٤، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ مرغینانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وان كان للابن الغائب مال فى يد ابويه وانفقا منه لم يضمنا لانهما استوفيا حقهما لان نفقتهما واجبة قبل القضاء." (ھدایہ اولین: ص٤٢٤، ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ زیلعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"لو كان للغائب مال عند أبويه فانفقا على انفسهما منه وهو من جنس النفقة لم يضمنا لان نفقتهما واجبة عليه قبل القضاء فاستو فيا حقهما."

(تبیین الحقائق: ج۳، ص٦٥، مطبوعہ حقانیہ ملتان)

اگر بیٹا تنگ دست ہو تو کیا اس صورت میں والدین کا نفقہ بیٹے پر واجب ہے؟

اگر بیٹا تنگ دست ہو تو اس صورت میں بیٹے پر والدین کا نفقہ واجب نہیں، البتہ اگر اس کی اپنی اولاد ہو تو والدین کو بھی اولاد کے ساتھ رکھ کر کھلائے لیکن علیحدہ نفقہ بیٹے پر واجب نہیں کیونکہ بیٹا اگر تنگ دست ہو تو اس صورت میں والدین کا نفقہ ساقط ہو جاتا ہے بخلاف بیوی اور اولاد کے کہ ان کا نفقہ حالت فقر میں بھی واجب رہتا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"اعلم أن ما ذكره المصنف من اشتراط اليسار فى نفقة الاصول صرح به فى كا فى الحاكم والدرر والنقاية والفتح والملتقى والمواهب والبحر والنهر. وفى كافى الحاكم ايضًا: ولا يجبر المعسر على نفقة أحد الاعلى نفقة الزوجة والولد ...... وفي الخانية: لا يجب على الابن الفقير نفقة والده الفقير حكمًا .... ولو له عيال أجبر على ضم أبيه معهم كيلا يضيع، ولا يجبر على أن يعطيه شيئًا على حدة."

(ردالمحتار: ج۳، ص۶۲۱/۶۲۲، مطبوعہ ایچ ایم سعید)

اسی طرح علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"وأطلق فى الابن ولم يقيده بالغنى مع أنه مقيد به لما فى شرح الطحاوى ولا يجبر الا بن على نفقة أبويه المعسرين اذا كان معسرا ...... وفى الخانية ولا يجب

علی الابن الفقیر نفقة والده الفقیر حکمًا.“

(البحر الرائق: ج٤، ص٢٠٥، مطبوعہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح علامہ زیلعی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”وشرط أن یکون موسرا لانه اذا کان معسرا فهو عاجز ولا تجب هذه النفقة علی العاجز بخلاف نفقة الزوجة وأولاده الصغار لانه التزمه بالعقد فلا تسقط بالفقر.“

(تبیین الحقائق: ج٣، ص٦٤، مطبوعہ حقانیہ ملتان)

اسلامی ممالک میں رائج قوانین والدین کے نفقہ کے بارے میں

عراق

صاحب استطاعت لڑکے پر خواہ بالغ ہو یا نابالغ اپنے والدین کا نفقہ واجب ہے، خواہ وہ (والدین) کسب معاش پر قادر ہوں تا آنکہ یہ ظاہر نہ ہوتا ہو کہ والد کاہلی اختیار کرنے پر تلا ہوا ہے۔ (قوانین نفقہ عراق: دفعہ نمبر ٦١)

شام

عسرت کی حالت میں باپ کا نفقہ ادا کرنا بیٹے کے ذمے ہوگا تا آنکہ وہ خوشحال ہو۔ (قوانین نفقہ شام: دفعہ نمبر ۱۵۸)

خوشحال اولاد پر خواہ مرد ہو یا عورت، بالغ ہو یا نابالغ اپنے محتاج والدین کا نفقہ واجب ہوگا، خواہ وہ (والدین) کمانے پر قادر ہوں جب تک کہ باپ کی طرف سے کمانے کے معاملے میں اس کے مثل اشخاص کے مانند کسل اور سستی ظاہر نہ ہو۔ (دفعہ نمبر ۱۵۹)

اختلاف دین کی بناء پر نفقہ واجب نہیں ہوتا مگر آباء واجداد اور اولاد کے واسطے۔

(دفعہ نمبر ۱۶۰)

تیونس

بذریعہ قرابت نفقہ کے مستحقین کی دو قسمیں ہیں، باپ و دادا خواہ درجے میں کتنے اونچے ہوں، صلبی اولاد خواہ درجے میں کتنے نیچے ہوں۔ (دفعہ نمبر ۴۳، تیونس)

خوشحال اولاد لڑکے ہوں یا لڑکیاں ان پر محتاج والدین، دادا، دادی کو نفقہ دینا واجب ہے۔ (دفعہ نمبر ۴۴)

اگر اولاد ایک سے زیادہ ہو تو خوشحال سے نفقہ دلایا جائے گا نہ کہ انفرادی طور پر ہر ایک سے اور نہ ہی وراثت کی بنیاد پر۔ (دفعہ نمبر ۴۵)

اردن

بچوں پر خواہ بالغ ہوں یا نابالغ والدین کا نفقہ واجب ہوگا۔ (قانونِ اردن، دفعہ نمبر ۶۵)

لیکن ان تمام ممالک کے قوانین کے بعد یہ بتاتا چلوں کہ مملکت خداداد پاکستان میں مسلمان بچوں یا آباء و اجداد کے نفقے کے متعلق کوئی مفصل قانون موضوع (Cnactad Law) اور مرتب قوانین کا مجموعہ موجود نہیں جن قوانین کی وجہ سے ان مسائل کا حل تلاش کیا جائے البتہ کتب فقہ سے اخذ کردہ احکام پر عمل کیا جاتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سلسلے میں مفصل ضابطوں کے ساتھ قانون سازی کی جائے جیسا کہ دیگر ممالک میں دفعات بالا کے ذریعے کوشش کی گئی ہے، ہاں اس ضمن میں اسلامی ممالک میں رائج الوقت قوانین نفقہ سے کافی مدد مل سکتی ہے۔ اگر ان قوانین سے علماء کی رہنمائی میں مدد لی جائے تو ایک تفصیلی مجموعہ قوانین نفقہ تیار ہو کر سامنے آسکتا ہے۔

لیکن شرط یہ ہے کہ علماء کی رہنمائی ہو جو صحیح طور پر اس کی قانون سازی کریں،

بصورتِ دیگر جب قانون سازی نہ ہو تو کل کوئی ایسا معاملہ عدالت میں پیش آ سکتا ہے جس کا حل اس مملکت خداداد پاکستان کے مرتب شدہ قوانین میں موجود نہ ہو۔

واللہ اعلم۔



کتابیات

- قرآن مجید
- قرطبی
- روح المعانی
- ابن کثیر
- احکام القرآن (جصاص)
- احکام القرآن (تھانوی)
- بیان القرآن
- معارف القرآن
- جواہر القرآن
- تفسیر عثمانی
- تفسیر منیر
- تفسیر مدارک
- تفسیر کبیر
- ترجمان القرآن
- لغات القرآن
- بخاری
- مسلم
- ابوداؤد
- ترمذی
- قانون مصر
- حقوق العاملہ الاردنی
- قوانین تیونس
- قوانین نفقہ عراق
- گارجین اینڈ وارڈز
- قانون انفساخ ازدواج
- قوانین نفقہ شام
- قوانین اردن
- شرح البدایہ
- البنایہ شرح ہدایہ
- شرح الوقایہ
- قدوری
- فتح المعین
- مجمع الانہر
- قاضی خان
- کتاب الفقہ
- خلاصہ
- فتاویٰ رحیمیہ
- فتاوی دار العلوم دیوبند
- المبسوط، للسرخسی
- کتاب الام
- الاقناع
- رحمۃ الامہ
- شرائع الاسلام
- تبیین الحقائق
- الفقہ الاسلامی وأدلتہ
- الفقہ الحنفی وأدلتہ
- البحر الرائق
- فتح القدیر
- احکام الشریعہ
- جدید فقہی مباحث
- فقہی مقالات
- بدائع الصنائع
- المغنی، لابن قدامہ
- المحلی
- احسن الفتاویٰ
- حیلہ ناجزہ
- کفایت المفتی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا﴾ (القرآن)

حیاتِ ابن مریم علیہ السلام

اردو ترجمہ

عقیدۃ الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ علیہ السلام

تالیف

امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ

ترجمانی

مولانا ابوطلہ محمد صغیر پرتاپ گڑھی استاذ معہد الانور دیوبند

زیر نگرانی

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری مدظلہ
شیخ الحدیث دار العلوم وقف دیوبند

ناشر

زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد اُردو بازار کراچی

حلال وحرام

جس میں، عقیدہ و ایمان، معاشرت و معاملات، لباس و غذا، ازدواجی زندگی، شعر وادب، کسب معاش اور صفائی وغیرہ سے متعلق حلال وحرام احکام کے علاوہ آداب واخلاق اور زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق سُنّتِ نبوی ﷺ پر مستند ومُدلّل طریقہ پر عام فہم اور دلچسپ زبان میں روشنی ڈالی گئی ہے، نیز حلال وحرام سے متعلق شریعت کے بنیادی اصول وقواعد بھی واضح کیے گئے ہیں۔ اِس کتاب کے مطالعہ سے ''اسلامی زندگی'' کے صحیح خط و خال سامنے آتے ہیں اور ''مومنانہ کردار'' کے ساتھ زندگی گزارنے کا سبق اور پیغام مِلتا ہے۔

از

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

زمزم پبلشرز

سینکڑوں کتب فقہ کے حوالوں کے ساتھ عام فہم اور دلنشین اسلوب میں

جدید نظرثانی شدہ ایڈیشن

جدید فقہی مسائل

عبادات، معاشرت، معاشیات اور سیاسی واجتماعی زندگی سے متعلق پیدا ہونے والے جدید فقہی مسائل کا حل!

جلد اول

بڑا قابل قدر کام ہے
مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
صدر مدرسۃ دار العلوم سبیل السلام
(حیدرآباد دکن)

نظرثانی شدہ

مفتی عبدالمنان صاحب
(استاذ الحدیث دارالعلوم حسینیہ شہداد پور)

زمزم پبلشرز

جدید فہرست نظرثانی شدہ ایڈیشن

ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے ایک بہترین رسالہ

اہتمام و شوریٰ

افاضات

مسیح الامۃ حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب شروانی رحمہ اللہ

از اکابر خلفاء

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ

خصوصًا

- مہتمم و پرنسپل صاحبان کے لئے
- مدرسین کے لئے
- معلمین کے لئے
- اساتذہ کرام کے لئے
- انتظامیہ کے لئے
- ائمہ کرام کے لئے
- کمیٹی والوں کے لئے

مشورہ کے فوائد
مشورہ کے احکامات
اہلِ شوریٰ کی صفات
امیر و ذمہ دار کی صفات
اطاعتِ امیر کی حکمت
وغیرہ اِن جیسے اہم اُمور پر مشتمل
ایک نایاب کتاب

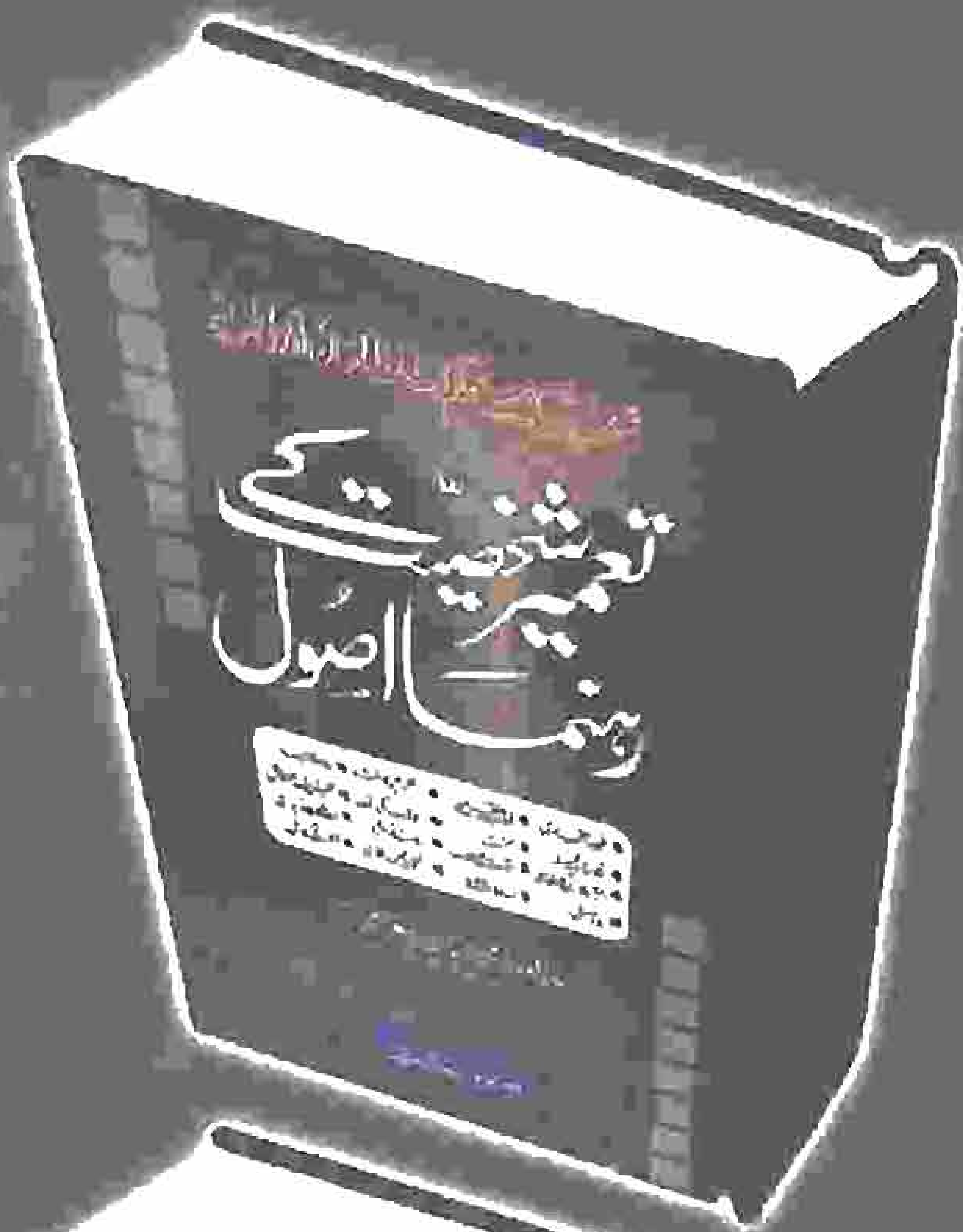
زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد۔ اردو بازار۔ کراچی
فون ٢٧٢٥٦٧٣

تاریخ الفقہ والفقہاء

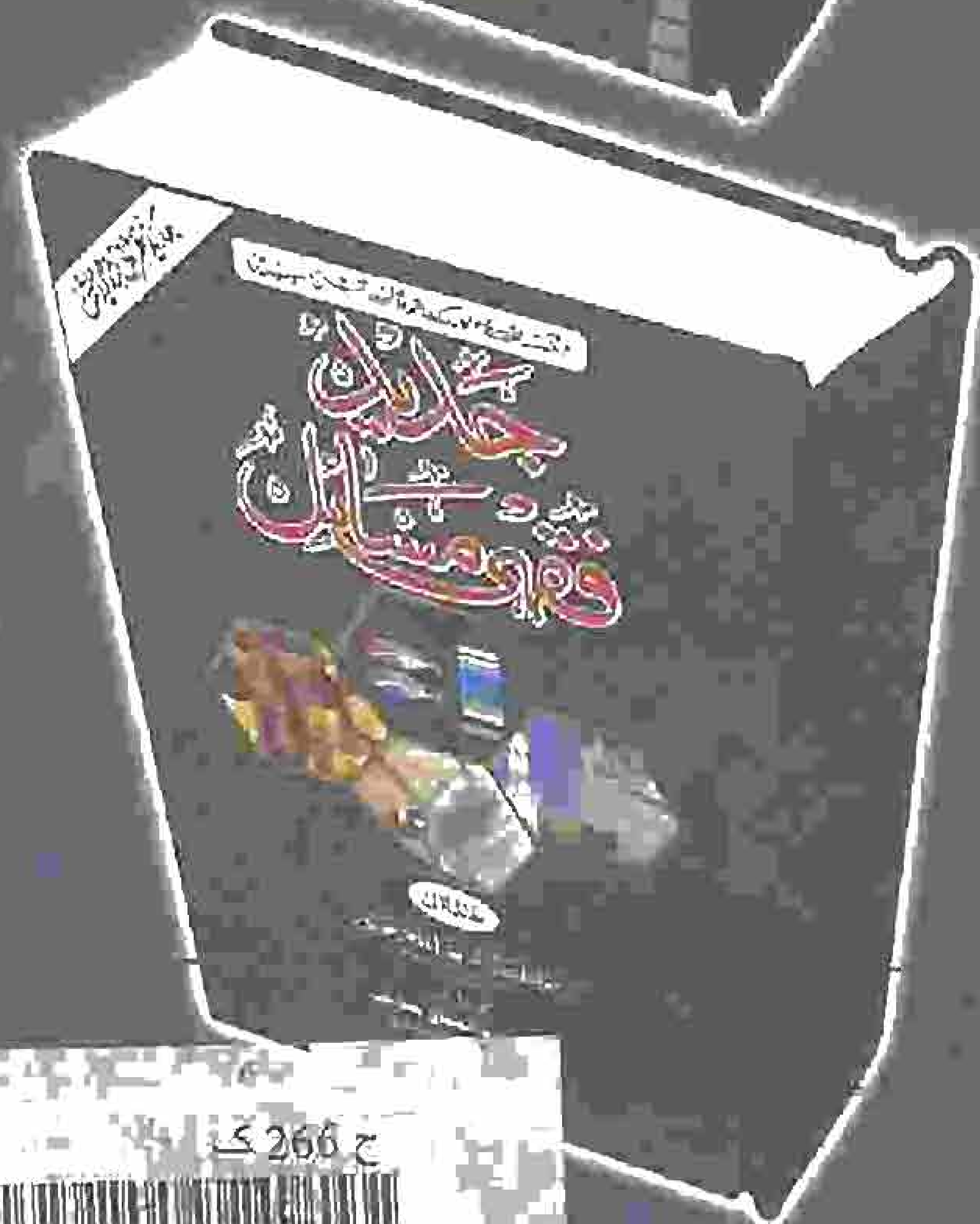
چاروں ائمہ کے حالات اور ان کی فقہی خدمات برصغیر میں اسلام
کی آمد اور یہاں کے فقہاء کی خدمات تخصص فی الفقہ کے علماء
کے لئے نہایت مفید کتاب۔

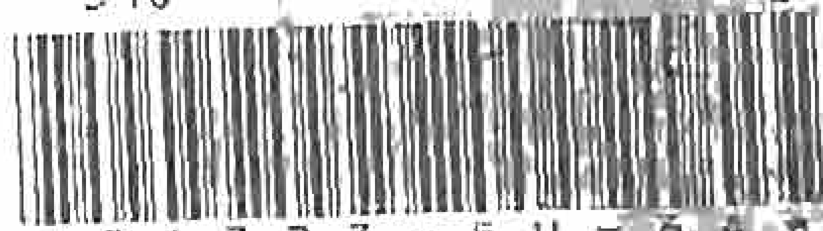
— تالیف —
حضرت مولانا مفتی حماد اللہ وحید صاحب دامت برکاتہم العالیہ
رئیس دار الافتاء جامعہ انوار القرآن، کراچی

زمزم پبلشرز
نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی



تعمیر شخصیت کے
رہنما اصول





24727-EU-64



ZZ 0090